نہیں موقوف کچھ کفر و مسلمانی پہ یہ خاور

جو ہے اخلاق میں یکتا مرے مذہب میں کامل ہے

(خاور)

گاندھی نامہ

یعنی

ہندوستان کے مشہور و معروف رہنما۔ مہاتما گاندھی جی کی منظوم سوانحعمری جس میں
اس یگانۂ روزگار کے یوم ولادت سے لے کر روانگی ولایت تک کے حالات کو نہایت دلچسپ
اور شاعرانہ انداز میں قلمبند کیا گیا ہے۔

حصۂ اوّل

از

میاں محمد رفیق خاور بی۔اے (آنرز) ایم۔اے

مرتبہ

رائے زادہ ہنسراج صاحب بیرسٹر و رئیس اعظم جالندھر ایم۔ایل۔اے سابق

بار اوّل

انتساب

(عمومی)

اُن اصحاب کے نام جو دُنیا میں امن و صُلح کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں اور ہندوستان کو با اقتدار دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ جو بھارت دیش کی آزادی کے لئے جان و دل سے کوشاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام مذہبی تفرقے مٹ کر ہندوستان کی ساری قومیں آپس میں شیر و شکر ہو جائیں تاکہ وُہ سُرعت کے ساتھ جادۂ ترقی پر گامزن ہوں؛

(مصنف)

(خصوصی)

ہم اِس کتاب کو نہایت خلوص کے ساتھ رائے زادہ ہنسراج صاحب بیرسٹر و رئیس اعظم جالندھر کے نامِ نامی پر معنون کرتے ہیں۔ آپ کی حوصلہ افزائی اور بروقت مدد کے بغیر شاید یہ کتاب ایک طویل عرصہ تک "حقیقتِ منتظر" رہتی اور "لباسِ مجاز" میں جلوہ گر نہ ہو سکتی۔ ہم اُن کے احسانات کا جتنا شکریہ اور حُسنِ سلوک کی جتنی ستائش کریں تھوڑی ہے۔ دِل یہی کہیگا کہ حقِ تعریف ادا نہیں ہوا ؛

خاور

فہرست

۳۔ زندگی

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

آزمائش

دیباچہ

یہ کتاب اُس مشہور و معروف شخص کی منظوم سوانحعمری ہے جس کی بزرگی اور عظمت کا نقش ایک دُنیا کے دل پر جم چکا ہے۔ سردست اس منظوم و تمثیلی سوانحعمری کا ابتدائی حصہ شایع کیا جاتا ہے تاکہ تشنگانِ شوق کی پیاس بُجھے۔ اگر اربابِ ادب نے اس کو پسند کیا تو اس کا دوسرا حصہ بھی جلد تیار کر کے شایع کر دیا جائیگا۔

ہم چاہتے تھے کہ حصہ اوّل میں مہاتما گاندھی جی کے پہلی دفعہ ولایت سے واپس آنے تک کے حالات قلمبند کریں لیکن واقعات کی رفتار نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی۔ ابھی نظم کا ایک شعر بھی تحریر نہیں ہوا تھا کہ اس کی افواہ بعض ادب پرست اصحاب تک پہنچ گئی۔ اُن کے لاتنناہی سلسلۂ خطوط اور فرمائیشوں نے ہمیں عجب مصیبت میں ڈال دیا۔ اور ہم مجبور ہو گئے کہ نظم کو

کم سے کم وقت میں پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ ان حالات کی وجہ سے لازم ہے کہ نظم میں بہت سے صوری و معنوی اسقام رہ گئے ہوں۔ اگرچہ احباب ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ اس میں زبان اور مذاق کی خامیاں بہت کم ہیں لیکن چونکہ لکھتے وقت ہمارے پاس کوئی عمدہ ڈکشنری نہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسا قابل شخص موجود تھا جس سے ہم مشورہ کر سکتے اس لئے عجب نہیں کہ نظم میں بہت سے الفاظ اور قوافی وغیرہ غلط یا محاورہ کے خلاف ہوں۔ ہم یہ واقعات مخالفانہ تنقید سے بچنے کے لئے بیان نہیں کر رہے۔ طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اپنی کمزوریوں اور شاعری کے نقائص کی پردہ پوشی ہمارا مسلک نہیں لیکن ہر انصاف پسند شخص تسلیم کرے گا کہ شاعر کے عجز کے ساتھ اس کی مجبوریوں کو بھی منظر عام پر آنا چاہئے۔ تاکہ ناقدانِ فن اُس کی شاعری اور استعداد کے متعلق غلط نظرئے اور رائیں قائم نہ کریں۔ اربابِ تنقید سے التماس ہے کہ وہ تصنیف ہذا پر تبصرہ کرتے وقت اُن تکلیف دہ حالات اور مشکلات کو

فراموش نہ فرمائیں جن کے ماتحت ہم نے اس کو تحریر کیا ؛

یہ نظم ہندوستان میں ایک بہتر فضا پیدا کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان کی تمام اقوام و ملل میں یہودیوں کی مانند یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہی خدائے عزّ و جل کی برگزیدہ قوم ہیں اور اُن کے سوا باقی سب اُس کی راندۂ درگاہ اور مغضوب و معتوب ہیں۔ نجات سعادت انعام و اکرام اور تمام دنیوی و اُخروی برکات و فضائل ایک فرقۂ خاص تک محدُود ہیں اور دُوسرے اُن سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ اِس تعصّب اور تنگ نظری نے اُن کے دلوں کو بُغض و عناد کے دُخان و دُود سے بھر دیا ہے اور اِس کی وجہ سے تمام ملک ایک انبارِ خس کی مانند فتنہ و فساد کی آگ میں جل رہا ہے۔ ہم نے گاندھی کی سوانحعمری اقوام ہند کے اس عقیدہ کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے، لکھّی ہے کہ خدا کے برگزیدہ اور محبوب انسانوں کا پیدا ہونا صرف یک ہی ملّت سے مخصوص ہے۔

اور دوسری قومیں یا فرقے اِس کے حقدار نہیں ایک آزاد خیال شاعر کی
حیثیت سے ہم کسی قوم یا مِلّت کو امتیاز کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یقین
رکھتے ہیں کہ گاندھی بھی اُسی طرح مکارم اخلاق اور اوصافِ حمیدہ
سے بہرہ ور ہے جس طرح دیگر فقرا و صالحین۔ چونکہ اقوام عالم میں
یہ عقیدہ راسخ ہو چکا ہے کہ اُن کے سوا باقی تمام ہیچ ہیں اور اُن کے نیک
افراد۔ رذیل۔ کافر اور مردود ہیں اس کی تردید کے لئے غیر معمولی ذرائع
درکار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے گاندھی کی آفرینش کے لئے زمین
آسمان اور قدرت کی سرگرمیوں کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر ایک
قوم کے برگزیدہ اور پرعظمت شخص کے لئے فطرت سرگرم کار ہوتی ہے
تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دیگر اقوام کے بلند پایہ افراد کے حق میں بُخل
سے کام لے۔ احتجاج کے جوش میں شاید ہم حدِ اعتدال سے متجاوز ہو گئے
ہوں لیکن ذاتی طور پر ہم گاندھی کی عظمت کے جائز حد تک قائل

ہیں اور بس ۔ قارئین۔ ولادت سے متعلق اشعار کو پڑھتے وقت
ہماری اِس تصریح کو نظر انداز نہ فرمائیں ؎

ہم اِس نظم پر ہر معقول تنقید کو سننے کے لئے تیار ہیں لیکن وہ برائے
نام سطحی تنقید جس کے ہمارے اکثر نقّاد دلدادہ ہیں اور جس کا رواج زیادہ تر
یُوپی۔ دہلی۔ علی گڈھ اور حیدر آباد میں ہے۔ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے
زبان اور بیان کے مصنوعی اصول قائم کر کے اُن کی سختی سے پابندی
کرنا۔ نقادوں کی تنگ نظری اور ناشناسی کی دلیل ہے۔ تنقیدِ عالیہ شاعر
کی طبیعت اور آرٹ سے تعلق رکھتی ہے اور اُسی کا ہماری ادبی دُنیا
میں قحط ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اربابِ تنقید تصنیف ہذا کو فضول
طفلانہ اعتراضات کا تختۂ مشق نہیں بنائینگے۔ اور تنقید عالیہ کے اصُولوں
کو کام میں لا کر ہمارے آرٹ اور وجدان کا مطالعہ فرمائینگے ؎

تصنیف کے ساتھ تقریظیں اور مقدمے شایع کرنا محض ایک تکلّف

ہے جس کو ہم پسند نہیں کرتے۔ اگر کتاب میں واقعی کوئی جاذبِ نظر
خصوصیات ہیں تو وہ خود قارئین پر واضح ہو جائیں گی ؎

صُورتے باید کہ باشد نغز و زیبا۔ روزگار
گو بہ اکسونش مپوش و گو بدیبائش بپیچ "

خاورؔ
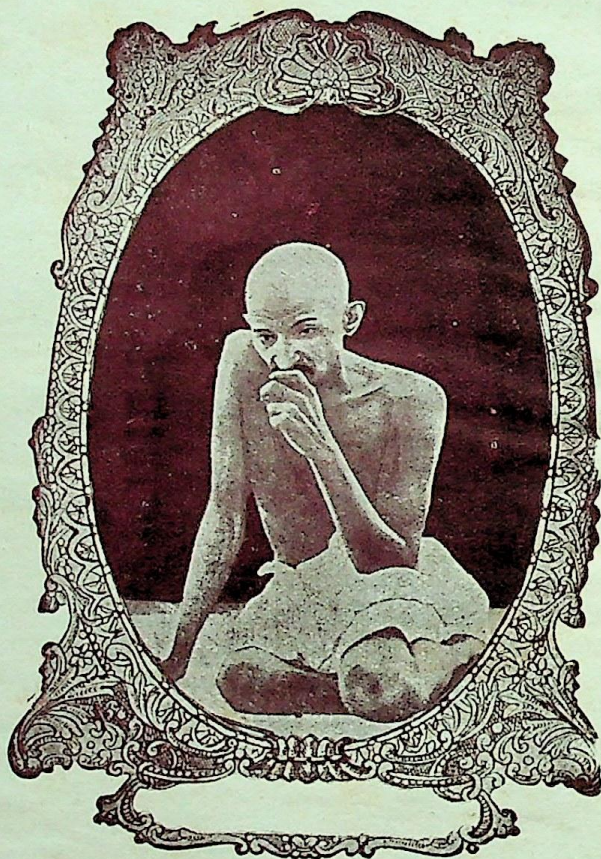
گاندھی نامہ

حمد

شبستانِ ازل میں زندگی کی شمع شہر آرا
فروزاں کرنے والی ہستی دانا و بے ہمتا

وہ جسکے جلوہ ہائے حُسن سے معمور ہے دُنیا
جمالِ سرمدی کے بادہ سے مخمور ہے دُنیا

پریشاں وسعتِ گردُوں میں جسکے برق پارے ہیں
کئی خورشید ہیں، مہتاب ہیں، روشن ستارے ہیں

سحر جس کے جمالِ دلنشیں کے گیت گاتی ہے
سُہانی رات مستِ نشّۂ تقدیس آتی ہے

بلند آوازہ ہے آفاق میں جسکی بڑائی کا!
زمانہ معترف ہے جسکی شانِ کبریائی کا!

مقدّس نام سے تیرے یہ نظم آغاز کرتا ہوں
مذاقِ نغمہ کو گردیدۂ آواز کرتا ہوں

تقاضا ہے قلم کو بابِ معنی کی کشایش کا　　　کہ حاصل ہو اُسے فخر ایک انساں کی ستایش کا

ستائیش اُس مقدس ہستی یکتائے دوراں کی

عیاں ہے فقر سے بھی جس کے اندازِ شہنشاہی

مئے روحانیت سے دہر کو سرشار کرتا ہے　　　اہنسہ کی حسیں تعلیم کا پرچار کرتا ہے

وہ انساں جس کا دل لبریز ہے صہبائے اُلفت سے　　　وہ جس کا قلبِ مضطر داغ ہے سوزِ محبت سے

جو اربابِ جہاں کو صُلح کا پیغام دیتا ہے　　　نگاریں بادۂ صدق و صفا کا جام دیتا ہے

یہ کہتا ہے تمہاری جیت ہوگی انکساری سے　　　کرو خلقِ خدا کے دل میں گھر پرہیزگاری سے

سکھاتا ہے اگر تم پر مظالم ہوں نہ گھبراؤ　　　ہمیشہ وضعِ تسلیم و رضا کو کام میں لاؤ!

تمہارے عجز سے مسحُور ہو جائیں گے سب اَعدا

وفائے و مہر پر مجبُور ہو جائیں گے سب اَعدا

ہمیشہ فقر کے عالم میں اُس کا پیرہن سادہ　　　فقط موئینہ پوشی اور خاموشی کا دلدادہ

غذا ہلکا سا دودھ اور ساتھ پینے کیلئے پانی　　　یہ ہے اُسکے لئے سامانِ تائیدِ نوشِ انسانی

لباسِ سادہ۔ طبعِ بے تکلف۔ وضع درویشی — کہاں اس سخت کوش انساں کو ذوقِ راحت اندیشی

نہ اُس کو جسم کی پروا۔ نہ کچھ ذوقِ خود آرائی — ہمیشہ مُلک کی خدمتگزاری کا تمنّائی

بدن پر سردی و گرمی کا ہر افسوں باطل ہے — کہ یہ مردِ جفاکش سختیاں سہنے میں کامل ہے

پدر کیا ہے کسی ادنیٰ سی جا دستور اعلیٰ ہے — مگر یہ ساری دُنیا پر حکومت کرنیوالا ہے

وُہ خاکِ تیرہ سے مثلِ گلِ رنگیں قبا اُٹھا — جہاں کو رنگ و بُو سے گلشنِ جنت بنا ڈالا

مہک اُٹھا حریمِ زندگانی اُسکی نکہت سے — دیارِ ہند نے تشہیر پائی اُسکی نسبت سے

وُہ انساں جس کا سینہ مخزنِ نور و لطافت ہے — جو حلم و عجز کی تصویر ہے۔ رُوحِ شرافت ہے

نہ اُسکے ہاتھ میں شاہوں کی بے انداز دولت تھی — امیروں کا تموّل تھا۔ نہ کوئی شان و شوکت تھی

مگر با ایں ہمہ دُنیا کو ایسی شان دِکھلائی

کہ پیدا کی سب اربابِ جہاں کے دل پہ گیرائی

بظاہر ایک مُشتِ خاک ہے یہ ناتواں پیکر — مگر سوزِ دروں سے شعلہ در بر مثلِ خاکستر

تہ و بالا کئے نظمِ جہاں کو یہ وُہ ہستی ہے — وُہ انساں جسکے رُخ سے سطوتِ شاہی برستی ہے،

سپہر اُس کے بلند افکار کی رفعت کو کیا پہنچے — بہ حسرت دیکھتا ہے اُسکی رفعت اپنی پستی سے

مہِ تاباں کو اُسکی طبعِ نور افشاں سے کیا نسبت — کسی بجھتے شرر کو نیّرِ تاباں سے کیا نسبت

وُہ اپنی شخصیت سے دہر کو تسخیر کرتا ہے — جہاں کو رشتہ بر پا صورتِ تقدیر کرتا ہے

اثر کر جائے جسکی بات دل پر وُہ انساں ہے — زمیں میں چپکے چپکے دھنسنے والا مست باراں ہے

سیاست۔ رہنمائی۔ جرأت و بیباکی و ہمّت — ریاضت علم و انشا سب میں یکساں دانش و حکمت

میسّر ہیں کسے اُسکے سوا اسرار زمانے میں؟ — یہ اوصافِ گراں مایہ۔ یہ حیرت آفریں باتیں؟

*[1] وُہ جسکے دل کی خواہش گل جہاں کی شادکامی ہے
یہی فردِ گرامی ہے۔ یہی فردِ گرامی ہے

یہ انساں ہندیوں کا بول بالا کرنیوالا ہے — چراغِ عقل سے ہر سُو اُجالا کرنیوالا ہے۔

اسی کی زندگی تحریر کرنا چاہتا ہوں میں — صفا نقشِ سخن میں رنگ بھرنا چاہتا ہوں میں

وُہ دلکش رنگ جن کے سحر سے تصویر بول اُٹھے — زبانِ گنگ بھی وارفتۂ تقریر ہو جائے

[1] * نشاں زدہ اشعار میں بعض مصلحتوں کی بنا پر حذف و ترمیم سے کام لیا گیا ہے۔

کیا فردوسی مرحوم نے ایران کو زندہ
کسی نے شاعری سے کرلیا ایمان کو زندہ

مجھے اِن ہندیوں کو خوابِ غفلت سے جگانا ہے
جو جاگے ہیں اُنہیں بھی سیدھے رستے پر لگانا ہے

وہ کیونکر اُس نجیبِ انسان کی سیرت نگاری سے
جسے حاصل ہُوا یہ مرتبہ طاعت گزاری سے

شکستِ فاش دی اس شخص نے شیطان کو ایسی
کہ پھر جرائت نہ ہوگی اُسکو ہرگز آزمائش کی

ہُوا حاصل اُسے کامل تسلّط نفسِ سرکش پر
عظیم الشان انساں بن گیا ابلیس سے بچ کر

تلاشِ حق میں سرگرداں رہا یہ مردِ فرزانہ
حقیقت کی تجلّی سے کیا پُر دل کا پیمانہ

مجھے اِس بندۂ آزادہ رَو مشہورِ دوراں کی
جو پروانوں کی صورت ہے فدائے شمعِ آزادی

زادوّل تا بہ آخر کیفیت تحریر کرنا ہے
حقیقت کے تجارب کا محل تعمیر کرنا ہے

مناجات

خداوندِ عظیم اَے کارسازا اَے یارِ بے یاراں

کیا ہے جس نے مجھ کو باغِ ہستی میں نوا ساماں

کہاں یہ کارِ مشکل اور کہاں ناقص بیاں میرا
مگر اس امر میں رُوح القدس ہمزبان میرا

حدیں تجھ پر عیاں ہیں میری پروازِ تخیّل کی
کہ ہے واماندۂ اوجِ معانی میری گویائی

مرے شعر و سخن کا عجز کیا کہئے کہاں تک ہے
یہ معذوری کا شکوہ بھی مری تابِ بیاں تک ہے

ابھی اک طائرِ وارفتۂ سعیِ نوا ہوں میں
صفیرِ کہنہ مشق احباب سے ناآشنا ہوں میں

تو اَے سرچشمۂ جود و سخا۔ بذل و کرم جس کی

نوازش نے جہانِ کُن فکاں کو زندگی بخشی

مہ و انجم کو اک سادہ لباسِ نور پہنایا
جبینِ آسماں کو خالِ بخشا مہرِ انور کا

نگاہوں کو طراوت دینے والی تازگی گُل کو — سُہانی دلنشیں سحر آفریں آوازِ بُلبل کو

پرندوں کو نشاط افزا صدائیں بخشنے والے — حسینوں کو لگاوٹ کی ادائیں بخشنے والے

وہ جس نے شاعروں کو نغز گفتاری عطا کی ہے — سُخن کو اک ادائے سادہ پُرکاری عطا کی ہے

مجُھے بھی تُو نے اپنی بارگاہِ فیض عنواں سے — عطا فرمائے ہیں لعل و گہر شیریں مقالی کے

مگر میں طفلِ ابجد خواں کہاں عرفانِ نادانی — کہاں یہ کشورِ ہندوستان کا مردِ لاثانی

بھلا میں کیا مرا حُسنِ بیان لطفِ زباں کیا ہے — ضیائے مہر میں جگنو کی شمع ناتواں کیا ہے

مگر یہ ذرّۂ ناچیز بھی تیری عنایت سے — عجب کیا غیرتِ خورشید عالمتاب ہو جائے

جو اس عاجز سُخنور کو تری توفیق حاصل ہو — تو وُہ اس مردِ کامل کیلئے مدِ مقابل ہو

وگرنہ اپنا مقدورِ بیاں معلوم ہے مجھ کو — مری تحریر کا سُود و زیاں معلوم ہے مجھکو

الٰہی اس شاعرِ بیکس کو شانِ ارجمندی دے

ز پا اُفتادۂ عالم کو نازِ سربلندی دے

مرے شعروں میں ایسی گرمیٔ تاثیر پیدا کر — کہ سُنتے ہی اُتر جائیں دلوں میں صُورتِ نشتر

حرارت جوش و مضطر شعلۂ جوّالہ کی صورت
کسی بیتاب و احمر آتشیں پرکالہ کی صورت

تاثر میرے گرم اشعار کو سن کر بھڑک جائے
تغافل دل ہی دل میں اپنی بےمہری پہ شرمائے

عطا کر دے مری گفتار کو اندازِ قاآنی
روانی۔ دلستانی۔ گُل فشانی۔ شعلہ سامانی

تپش برقِ تپاں کی۔ مہرِ عالمتاب کی حدت
بلا کی شعلہ کاری۔ آتشِ غرندہ کی شدت

اچھل کر رودِ معنی مصرعِ موزوں کے ساحل سے
کفِ ہر کشتِ دل کو موج سے سیراب کر ڈالے

فقط سیراب کیا بخشے گہرہائے گراں مایہ
کھلونے طفل کو دے شیر و شکر جس طرح دایہ

سحر کا مطلع ہو گویا۔ مرا ہر مصرع تاباں
مرا ہر شعرِ تر ہو غالبؔ و اقبالؔ کا دیواں

مرا جوشِ بیاں۔ زورِ سخن محشر بداماں ہو
صدائے قُم باذنی موت کو سامان شیون ہو

مری تصنیف اک دوکانِ آتشباز ہو گویا
مری آواز۔ برق و رعد کی آواز ہو گویا

اگر یہ رعب دار آواز درگیر سماعت ہو
تو باطل سہم جائے حق کو اترانے کی جرأت ہو

دلوں کے مردہ جذبے دفعتاً بیدار ہو جائیں
طبیعت کے فسردہ ولولے ہشیار ہو جائیں

مرے الفاظ ہوں نعم البدل شمشیر و خنجر کا
مری روحِ سخن ہو۔ ولولہ پرجوش لشکر کا

مری تقریر میں ہو قوتِ بازوئے المانی[1] — مری تحریر میں پامردیٔ گُردانِ ایرانی

نہ ہو اُس ناتواں شاعر کی صورت شاعری میری — جسے جوش اَور بیباکی کی جرأت ہو نہیں سکتی

ہر جس کی طبیعت سے سہارا ہی نہیں جاتا — تہوّر پر کبھی دل کو اُبھارا ہی نہیں جاتا

خوشا دہ شعرِ آتش ریز جو برقی حرارت سے — قوائے زندگی کو خواب سے بیدار کر ڈالے

جو ہیہم دہاڑتا ہے ایک شیرِ شرزہ کی صورت — زمیں کرتی ہے پیدا جس سے موجِ لرزہ کی صورت

جو کرتا ہے بپا دنیا میں اک ہنگامۂ محشر — اُلٹ دیتا ہے دفترِ صفحۂ ہستی کا سر تا سر

جو سب سوتی ہوئی اقوام کا شانہ ہلاتا ہے — اُنہیں غفلت کے وحشتناک پنجے سے چھڑاتا ہے

جو بھر دیتا ہے اِک بارُودسی انسان کے دل میں — نیا دِل ڈالتا ہے سینۂ اقوام کاہل میں

سکھاتا ہے ہمیں جرأت اِلوالعزمی جگرداری — وہ باتیں جن میں مضمر ہے زمانے بھر کی سرداری

جو اک آتش کا پرکالہ بناتا ہے جوانوں کو — شجاعت بخشتا ہے بزدلوں کو ناتوانوں کو

جو اقوام وملل کو زیست کا پیغام دیتا ہے — پھر اُن کو فتحِ عالم کیلئے صمصام دیتا ہے

---

[1] جرمنی

خدایا مجھ کو ایسی شاعری سے بہرہ ور فرما

فتادہ نقشِ پا ہُوں مجھ پہ رحمت کی نظر فرما!

یہ استدعا بھی ہے یارب اگر تیری عنایت سے | مجھے زورِ بیاں کا گوہرِ نابندہ مِل جائے
تو پھر میری زباں جسام شناسائے تکلّم ہو | ترنّم کا مزہ بھی ہمسرِ شورِ تلاطُم ہو
اگر اشعار کے پردہ میں خود برق تجلیاں چمکیں | تو ٹپکیں ساتھ ہی اوجِ فضا سے شبنمیں بُوندیں
مری موجِ نفس سے مشعلِ ناہید بجھ جائے | فرشتوں کو مرا گلبانگ شیریں وجد میں لائے
دہرا رہ جائے سب نازِ زلیخا طاقِ نسیاں پر | زمانہ خندہ زن ہو غزنوی[1] کی نقشِ دالحاں پر

کہاں تک کیجئے طولِ سُخن معجز بیانی کا؛

کہاں تک مشغلہ در یوزۂ حُسنِ معانی کا!

تری درگاہ میں حاجت ہی کیا اظہارِ مطلب کی | مگر خوئے نیاز و انکساری طبعِ انساں کی
مجھے کامل توقع ہے تری شانِ کریمی سے | کہ تو بخشیگا مجھ کو وقت پر فیضان کے لمحے

---

[1] رفیق غزنوی بی-اے

اِسی اُمید پر اپنی دُعا کو ختم کرتا ہوں
تری درگاہِ عالی پر سرِ تسلیم دھرتا ہوں

بھارت ماتا کا سراپا

نگاہوں کے مقابل ایک پہنا بحرِ اخضر ہے
عجائب خانۂ قدرت کا حیرتناک منظر ہے

اُبھرتی ہیں مثالِ لُجّۂ بحرِ فنا موجیں
مسلسل قہقہہ زن دیوار وش ہیبت فزا موجیں

بہم دست و گریباں موجہائے دستہ در دستہ
بدن مرہونِ جُنبش صورتِ فیلانِ پا بستہ

اُچھلتا کودتا سیّال کوہِ دیو پیکر ہے
جو فرطِ جوش سے بیتاب ہے ہیکل کی مضطر ہے

۱؎ بھارت ماتا کو ایک بحری پری فرض کیا گیا ہے۔ کیونکہ سائنس کے انکشافات کے مطابق تمام ہندوستان مع کوہِ ہمالیہ کبھی پانی کے نیچے غرق تھا۔

یکایک ایک موج اُٹھتی ہے اسکی دیگ جوشاں میں
گذرتا ہے نفس اس سینۂ بابل بہ زنداں میں

اُبھرتی ہی چلی جاتی ہے یہ موجِ نفس پرور — یہ کوئی کھولتا گیسر[1] ہے اسکے سینہ کے اندر
مگر اک ویل ہے جو بوجھ سے پانی کے گھبرا کر — نکلنے کو ہے مثلِ غوطہ زنِ سطحِ سمندر پر
یہ موج اک کوہ کا انداز پیدا کرتی جاتی ہے — حبابوں کی طرح منہ کو ہوا سے بھرتی جاتی ہے
کفِ رقصاں نہیں ہے برف کی دستار ہے گویا — کوئی اُڑاتا ہوا ابرِ سرِ کہسار ہے گویا
غلافِ آب سے اک آبدوز[2] ایسے اُبھرتا ہے — کہ گویا قصدِ[3] غرقِ کشتیٔ افلاک کرتا ہے
ابھی اُبھرا کہ اُبھرا سطح پر یہ پیکرِ خیزاں — وہ پیدا ہو گیا ہُدہُد نما تاجِ سرِ پنہاں
یہ شاید دوسری حوا ہے جو آدم کے پہلو سے — نمایاں ہو کے ظاہر کرتی ہے اسرارِ فطرت کے
کوئی بحری پری ہے یہ جمیل و دلنشیں ہستی — کہ لہریں زلف کی مانند وقفِ یک جہاں مستی
کسی اُڑتی گھٹا کے شہپرِ گسترده کی صورت — ق — رہینِ رقصِ پیہم ہیں حبابِ نشۂ راحت

[1] Geyser [2] تارپیڈو Torpedo [3] کوہ ہمالیہ کی طرف اشارہ ہے

کمر کے بل بساطِ بحر پر لیٹی ہوئی ہے یہ
سرہانے پر زمیں کے رکھ کے سر لیٹی ہوئی ہے

مثالِ کشتیِ سیمیں ہے جسمِ نازنیں اس کا
بہشتِ دیدۂ بینا جمالِ دلنشیں اس کا

پڑی ہے اس ادا سے بحر میں پاؤں کو پھیلا کر
کہ گویا حور ہے فردوس میں آسودۂ بستر

ہمالہ کی طرح وہ برف کے آئینہ وش پستاں
بہیں گنگ و جمن کی شکل جن سے دودھ کی ندیاں

وہ ندیاں جس سے اسکے بال بچے پرورش پائیں
پھلیں پھولیں نمو پاکر یہاں اور بن جائیں

ذرا دیکھو تو اس خاکی بدن کی نیلگوں شیریاں
جو اسکے کالبد کے حق میں ہیں اک چشمۂ حیواں

یہ ساری زندگی کے جوش میں سرشار آتی ہیں
گلوئے تشنۂ انسان کو امرت پلاتی ہیں

یہ منظر دیکھ کر چشمِ تصور محوِ حیرت ہے
کہ مٹی کی زیبا مورتی کیا حورِ قدرت ہے

تعجب زا نمونہ ہے یہ ترکیب عناصر کا
قیامت زا ہے جس کا دلنشیں حسن جہاں آرا

یہ حیرت خیز دلکش قالبِ پُرنور کس کا ہے
یہ ہمہ تمثال پیکر رشکِ روئے حور کس کا ہے

یہ چہرہ مہر کی گرمی سے سنولایا ہوا اس کا
نظر افروز حسنِ گندمی ہے آئینہ کس کا؟

ادب اے دل! یہ صورت حرمت و عزت کے قابل ہے
یہ بھارت ہے کہ جو پرمیشور کی آنکھ کا تل ہے

ہمارا قبلہ و کعبہ ہمارا ملجاء و ماویٰ — یہی پُر نور ہستی ہے یہی ماتاؤں کی ماتا
بہت کیفیتیں دیکھی ہیں اس کی چشمِ بینا نے — ہزاروں حادثات اور انقلاب انگیز ہنگامے
بہت دیکھی ہیں اس نے گردشیں گردونِ گرداں کی — نہایت شوق سے پالی ہیں نسلیں نوعِ انساں کی
وہ نسلیں جو کہ بکھری ہیں تمام اقطاعِ عالم میں — تیقن ہی نہیں آتا کہ ہیں سب صلبِ آدم میں
نظر نے اس کی افرادِ عظیم الشان دیکھے ہیں — کئی کامل کئی عاقل کئی ودوان دیکھے ہیں
محقق فلسفی شاعر پیمبر نامور ہادی — بکرماجیت کالیداس بدھ چندرگپت پرتھوی
شری بیت کرشن نانک بالمیکی اکبرِ اعظم — اشوک اور کنشک زیبا پیروانِ مسلکِ گوتم
ہزاروں کوہِ نور اسکے درخشاں تاج میں چمکے! — ہزاروں لعل و گوہر اسکے روشن بطن سے نکلے!
گذشتہ عہدِ رنگیں پر اسے سو ناز ہیں اب تک — پئے عودِ سلف چشمِ تماشا باز ہے اب تک
مگر اس کی نگہ محروم ہے اگلے نظاروں سے — نظر مایوس واپس آتی ہے رنگیں بہاروں سے

وہ رونق ہی نہیں اب اسکے رخسارِ گل افشاں میں
خزاں کا دور دورہ ہو گیا صحنِ گلستاں میں

وہ نازک ہونٹ فرطِ غم سے کملائے ہوئے ہیں
سمومِ جانگزا کے دم سے مرجھا ہوگئے ہیں

غم آگیں ہے کہ اس سے چھن گیا یک بہ یک سہاگ اس کا
ہوئی بربادِ تاراجِ خزاں فردوس سی دنیا

یتیموں کی طرح چہرے پہ آثارِ پریشانی
ہویدا رنگِ رخ سے فاقہ مستی قحط سامانی

اسیرِ کلفتِ پیہم ہے یہ اولاد کے غم میں
رہینِ گریہ اپنے گلشنِ برباد کے غم میں

سبھی کچھ جھیل لیتی ہے زنِ خو کردہ ایذا
مگر بچوں کی نکبت کا سماں دیکھا نہیں جاتا

یہی ظاہر ہے اس کی سوگواری آہ و زاری سے
سنو کیا کچھ شکایت کر رہی ہے ذاتِ باری سے

کچھ ایسے لہجۂ غمناک میں بپتا سناتی ہے
کہ ہر دل کو رلاتی ہے گھلاتی ہے لبھاتی ہے

ہے رقت خیز اس دکھیا کی غمگیں زمزمہ گفتاری
زمین و آسماں پر ہے سکوتِ محویت طاری

جبینِ زرد سے مایوسی و حرماں برستے ہیں
نگاہیں کیا، غم و آلام کی آمد کے رستے ہیں

سنو بھارت خدا کے سامنے فریاد کرتی ہے
زباں کو ترجمانِ خاطرِ ناشاد کرتی ہے

بھارت ماتا کی فریاد پرماتما کے حضور میں

حضورِ داورِ مطلق بہ چشمِ زار آئی ہوں! — سراپا صورتِ غم با دلِ افگار آئی ہوں
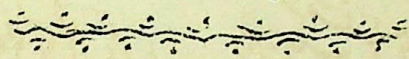
سیہ ملبوس میں حاضر ہوں ماتم کا نشاں بنکر — ہویدا ہے مرا تن آتشِ دل کا دھواں بنکر!

دکھانا ہے مجھے اپنی جراحتہائے پنہاں کو — جو پیغامِ ہلاکت ہیں دلِ خونابہ افشاں کو

عیاں کرنا ہے اُن مستورِ آتشناک شعلوں کو — جو ہیں سامانِ حیرت پارسی کے آتش پرستوں کو

الٰہی! کوئی گستاخی ہو گر میری شکایت میں — ہو کچھ بے حرمتی کا شائبہ حرف و حکایت میں

تو چشمِ درگذر ہے مجھ کو تیری ذاتِ والا سے — کہ لطف آمیز بنتے ہیں یونہی سارے گلے شکوے

مرے دل کی لگی ہے جو مجھے بیباک کرتی ہے — زباں کو چست خودسر شوخ اور چالاک کرتی ہے

خدایا! ناتواں ہوں سرگراں ہوں غم نشانوں میں

تری رحمت کے صدقے اک مریضِ نیمجاں ہوں میں!

شکستہ ہوگیا غم سے یہ جسمِ ناتواں میرا ۔۔۔ بدن سے خستہ تر ہے قلبِ بے رُوح و رواں میرا

عیاں ہے میری صُورت سے مری دل کی پریشانی ۔۔۔ جبین پُر شکن ہے لوحِ کاوشہائے پنہانی؛

نہیں معلوم اِس دُنیا میں کیسی جی رہی ہوں میں ۔۔۔ رہینِ یک مُسلسل پیچ و تابِ جانکنی ہوں میں

مُصیبت پر مُصیبت غم پہ غم پر کون چرکے ہیں ۔۔۔ عجب پر شور ہے تو عجب تیرے کرشمے ہیں

ازل سے میری قسمت میں یہی اندوہ حرماں تھا ۔۔۔ ترے شاہی خزانے میں یہی گنجِ فراواں تھا

میں سُنتی ہُوں کہ تیری اور لوگوں پر عنایت ہے ۔۔۔ معاذ اللہ! خدا ہو کر بھی اتنی رُو رعایت ہے

ترے اِس دلشکن برتاؤ کی تذلیل کیا کم تھی ۔۔۔ * کہ یہ دیرینہ محکومی کی ذلت بھی مجھے بخشی؛

یہی تیری تمنا ہے کہ دُنیا میں مرے بیٹے ۔۔۔ رہیں آغاز سے انجام تک نقدیر کے ہیٹے؛

غریبوں بیکسوں کے دادرس میری مدد فرما

مرے فریاد رس ۔ مجھ کو غموں سے مخلصی دلوا

مری کشتی بڑی مدت ہوئی محصورِ طوفاں ہے ۔۔۔ نہ جدّ و جہد کی طاقت ۔ نہ کچھ بچنے کا امکاں ہے،

مرے سرسبز گلشن پر خزاں کی شعلہ باری ہے، ۔۔۔ سمومِ جانگزا غازتگرِ فصلِ بہاری ہے

کہیں میرے مصائب ختم ہونے کو نہیں آتے ملائک بارشِ آفات سے کیا تھک نہیں جاتے؟

مری تقدیر ہنستی ہے مری تدبیر روتی ہے یہ سب کچھ تجھ سے ہے یا خود مری قسمت ہی سوتی ہے؟

بجا ہے گر پڑی تھی ایک بجلی طُورِ ایمن پر برابر گر رہی ہیں بجلیاں میرے نشیمن پر

مری خاطر مصائب کا تسلسل اب بھی باقی ہے مری تقدیر سی تقدیر کس انساں نے دیکھی ہے؟

جہاں کی ہر ہوا میرے لئے بادِ مخالف ہے بلا انگیز ہے میرے لئے آفاق کی ہر شے

عناصر، آدمی، اقوام ہیبت آفریں سائے لگے ہیں گھات میں میری یہ سب جنات کے جائے

مری ایذا دہی پر چرخ نے سوگند کھائی ہے
دُہائی ہے تری یارب! دُہائی ہے دُہائی ہے

سماں عبرت فزا ہے میرے بچوں کی نکبت کا اسارت، قحط اور بیروزگاری کا ہلاکت کا

وہ اُبھرا، یہ مٹا۔ یہ مِٹ گیا وہ سطح پر اُبھرا مری تاریخ بھی شطرنج کا اک کھیل ہی گویا

کبھی اسکندرِ اعظم کی ضربیں قہر ڈھاتی ہیں کبھی افواجِ نادر موجۂ خوں میں نہاتی ہیں

کبھی سفاک ہُن کرتے ہیں بیمہری کے برتاوے کبھی تیمور کے وحشی درندے کرتے ہیں دھا[illegible]

⁂

بیاں کیا کیجئے احوال اپنی مستمندی کا
سنائے جب خیال اپنی قدیم اقبالمندی کا

کبھی میرے بھی دن نوروز اور عیدین کے دن تھے — مہ و خورشید و انجم میری خوش بختی کے ضامن تھے
مری آغوش گہوارہ تھی تہذیب و تمدن کا ! — جہاں میں شہرہ تھا میرے ہنر کا گیان گن کا
ہیں میری گود میں وہ نامور فردِ بشر کھیلے — جنہیں تک عقیدت یاد کرتی ہے محبت سے
جب اس عہدِ گذشتہ کے فسانے یاد آتے ہیں — مرے قلبِ پُراز احساس کو پھر وہ رلاتے ہیں
مرا دل داغ ہو جاتا ہے ماضی کے تصور سے — اُبل پڑتے ہیں میری آنکھ سے اشکوں کے فوارے

کیا یا رب! گلہ میں نے بہت تیری رعایت کا
تقاضا تھا یہی طبعِ گرفتارِ مصیبت کا

مگر جمعیتِ خاطر سے جب کچھ غور کرتی ہوں — تو پھر تیری بلندی سے زمینوں پہ اُترتی ہوں
رہا یک سو ترا یا غیر کی بیداد کا شکوہ — مجھے سب سے فزوں ہے اپنی ہی اولاد کا شکوہ
وہی نادانیاں اس کی مرے سر پر بلا لائیں — جو اب تک اسکی طبعِ سفلہ سے مٹنے نہیں پائیں

تعصب نے مرے بستے ہوئے گھر کو اُجاڑا ہے — مُسلسل خانہ جنگی نے مرا نقشہ بگاڑا ہے!

نظر پڑتی ہے اِن کی جنگ کے خُونیں مناظر پر — تو رنج و غم سے ہو جاتا ہے خُوں میرا دلِ مضطر

یہ پیہم کشمکش میری طبیعت کو نہیں بھاتی — مجھے اے کاش! اِس سے پیشتر ہی موت آ جاتی

چھپی ہے یہ حقیقت کیا مری اولادِ غافل سے — کہ مجھ پر کتنی آفت ڈہائی ہے اِس کی جہالت نے

اگر پھر بھی یہی عالم رہے دستِ و گریباں کا — یہی رسوا چلن باقی رہے ہندو مُسلماں کا

تو بہتر ہے اُٹھا لے ربِ عزت مجھ کو دُنیا سے

مری ہستی جہانِ زیست سے نابُود ہو جائے

اُسی صُورت نگل جائے مجھے یہ بحرِ بے پایاں — کیا جس طرح مجھ کو ابتدا میں زندگی ساماں

وگرنہ میری خاطر اور بہبودی کا ساماں کر — عطا فرما مرے بیٹوں کو پھر اسلاف کے جوہر

عنایت ہو انہیں احساس اپنے نفع و نقصاں کا — نہ گھبرائیں انہیں منظر حوادث گاہِ دوراں کا

اگر اس کے لئے بھی اِن کا اختر نامساعد ہو — تو پھر خیبر[١] سے بھیج اِک تازہ قومِ باحمیت کو

[١] ہماری مراد افغانوں سے نہیں، ان کی حکومت سے ہندوستان پر دوبارہ بربریت کے تسلط پانے کا اندیشہ ہے! اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے ۔

مرے بے غیرت اور نا اہل بیٹوں کو ہزیمت دے

مری آغوش کو اک با سعادت طفل ہاتھ آئے

اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو پھر اک شاعرِ دانا پیمبر یا کوئی فرزانہ انساں ہی عطا فرما

جو اپنی دانش و حکمت سے دے تعلیمِ آزادی * مبدل راحت و آرام میں ہو رنجِ بربادی

خوشا وہ قوم جس میں شاعرِ ہشیار پیدا ہو

خدا کا راز داں - اور خلق کا غمخوار پیدا ہو

ودیعت جوہرِ ایثار ہو جس کی طبیعت میں محبت خون کی صورت رواں ہو جسکی فطرت میں

دکھائے بے خبر اقوام کو راہیں ترقی کی اُلٹ دے اپنے اعجازِ بیاں سے قوم کی دھرتی

خزانے کھول دے اُن کیلئے علم اور حکمت کے تخیل کے، تدبر کے، تہور کے، فراست کے

سکھائے زندگی کا طرزِ احسن سے بسر کرنا سبھی حالاتِ گرد و پیش پر گہری نظر کرنا

جو لے جائے ملل کو شہرت و عزت کے زینے پر وہاں جس جا مہ و خورشید و انجم ہیں ضیا گستر

اُنہیں اخلاقِ کامل کا نمونہ بن کے دکھلائے ہمیشہ رفعتِ اندیشہ کی تعلیم فرمائے

جہانِ خوگرِ پیکار کو درسِ اخوت دے؟ | نوا پیرا ہو ذوقِ اتحادِ نوعِ انساں سے

حرارت جوشِ نغمے برق و آتش کے فسانے ہوں | شرر انگیز جملے تند شعلوں کی زبانیں ہوں

یہ شاعر جب جمالِ حُسن کی تخلیق کرتا ہے | دِلوں میں جذبۂ روحانیت کی آگ بھرتا ہے

یہی ہے نوعِ انساں کیلئے اک آیۂ رحمت | یہی ہے ساری دُنیا کیلئے سرمایۂ رحمت

خدایا مجھکو ایسا زندہ دِل شاعر عطا فرما

عطا ہو جائے میری گود کو اک پاک پیغمبر | جو ہو نانک شری شنکراچارج کرشن کا ہمسر

یہ سب تیرے ہی خورشیدِ درخشاں کی شعاعیں ہیں | جہاں کیواسطے اللہ کی روشن نگاہیں ہیں

مُبارک ہیں وہ قومیں جن میں ہوں وہ انبیا پیدا | جو ہوتے ہیں تری مخلوق کے غمخوار اور شیدا

ترے بندوں کو سکھلاتے ہیں جو اشغالِ روحانی | دلوں سے دُور کرتے ہیں وساوسہائے شیطانی

جو کفر و فسق و نادانی کو دُنیا سے مٹاتے ہیں | صداقت کے رُخِ پُرنور سے پردہ ہٹاتے ہیں

تعصب جہل مکاری ضلالت اور گمراہی | وُہ حیوانی خصائل جن سے ہے انساں کی رسوائی

یہاں زائیدگانِ نار کو جینے نہیں دیتے | مِٹا دیتے ہیں اِن کے داغ کو دامانِ ہستی سے

یہی فطرت کے وُہ خوابیدہ کوہِ آتش افشاں ہیں — کہ بیداری میں جن کی حشر کے سامان پنہاں ہیں

وہ پتھر پھینکتے ہیں دہر کے آئینہ خانوں میں — تزلزل ڈال دیتے ہیں زمینوں آسمانوں میں

دِلوں کو بخشتے ہیں اِس بلا کی شعلہ کرداری — کہ کرتا ہے عمل پیدا ادائے برق رفتاری

عطا کرتے ہیں اپنا شعلۂ درگیر دُنیا کو — بنا دیتے ہیں گویا نسخۂ اکسیر دنیا کو

یہ حق کے نقش کو لوحِ جہاں پر ثبت کرتے ہیں — اِسی کے واسطے لڑتے جھگڑتے اور مرتے ہیں

الٰہی مجھ کو اِک پُرجوش پیغمبر عطا فرما

خداوندِ جہاں ہے مثلِ شاعر مردِ دانا بھی — کہ اُس کے دستِ قدرت میں ہے سامانِ جہانگیری

وہ تدبیر و سیاست سے جہاں کو رام کرتا ہے — خدائی محوِ غفلت ہو وہ اپنا کام کرتا ہے

نہیں فطرت میں اُسکی عشق کی آشفتہ سامانی — ازل نے اُس کو بخشا ہے سکونِ طبعِ نعمانی

نگاہِ عقل تا اوجِ ثریا کام کرتی ہے — ز سطحِ ارض تا داغِ سویدا کام کرتی ہے

اِسے معلوم ہیں دُنیا کی چالیں ہتھکنڈے گھاتیں — نظر کے سامنے ہیں آنیوالی دُور کی باتیں

فراست۔ دُور بینی۔ عزم و استقلال کا پیکر — عجب شے ہے جہانِ آب و گِل میں مردِ دانشور

اگر اس ہوشمندی میں شمولِ حق پرستی ہو ۔ تو آدم فی الحقیقت لائقِ تعظیم ہستی ہو

مبارک ہے وہ انسان جسمیں یہ اوصاف یکجا ہوں ۔ محبت اور عقل و ہوش یکساں کارفرما ہوں

خدایا! مجھ کو ایسا فردِ دانشور عطا فرما"

ہوا ختم التجا پر شکوۂ بیدادِ بھارت کا ۔ بنا آتش جبیں کُل شعلۂ فریادِ بھارت کا

نفس کے تار پر پیغام پہنچا منتشر ہو کر ۔ فلک مانندِ قرصِ ٹیلیفوں تھرا اُٹھا یکسر

صدائے شکوہ آگیں آسوئے افلاک جا پہنچی ۔ رقیق و پست ہو کر تا خدائے پاک جا پہنچی

سُنا بھارت کا شکوہ اور گذارش ذاتِ باری نے ۔ اثر دکھلا دیا خستہ دلوں کی آہ و زاری نے

خدا کو اپنی اس معصوم سی بچی پہ رحم آیا ۔ فرشتوں کی زبانی شفقتِ مفرط سے فرمایا

ایشور کا جواب

ہلایا عرش کا شانہ زری فریادِ غمگیں نے

بہت مدت کے بعد آئی ہمیں آواز دنیا سے

ہماری سرد مہری کا گلہ زیبا نہ تھا تم کو
نہیں معلوم فرزندوں کا اپنے ماجرا تم کو؟

مگر ہم تیری ساری کاوشیں محسوس کرتے ہیں
زراہِ لطف تسکینِ دلِ مایوس کرتے ہیں

مبارک ہو کہ تیری التجا مقبول ہوتی ہے
دعائے رحمتِ ربِّ علا مقبول ہوتی ہے

بسیط ابرِ کرم ہوگا تری دنیائے ویراں پر
برس جائیگی رحمت بارشِ خلد آفریں بن کر

عطا ہوگا تری آغوش کو نورِ نظر ایسا
کہ جس کی خاکِ پا میں درج ہو اکسیر کا نسخہ

یہ بیٹا مخلصی دلوائیگا تجھکو مصائب سے
بتائیگا تجھے رستے نشاط و کامرانی کے

چمک جائے گا تیرا نام روشن بزمِ ہستی میں
مہِ کنعاں[1] عیاں ہوگا تری تاریک پستی میں

زمانے کو ترقی کے منازل طے کرائے گا
پئے قطعِ سفر اپنی نئی راہیں بتائیگا

کریگا فلک کے ساغر کو سرشارِ مئے عرفاں
دکھادیگا کہ ہوسکتے ہیں عارف بھی سیاستداں

کسے معلوم ہے یہ نکتہ رس انسان کیا ہوگا
بہ حیرت آفریں۔ مردِ عظیم الشان کیا ہوگا؟

---

[1] حضرت یوسف جن کے بھائیوں نے اُن کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔

یہ رونق ساکنانِ دہر میں کس کے قدم سے ہے
بدن میں زندگی دورۂ خوں کس کے دم سے ہے

بجا ہے شاعرِ بیدار نورِ چشمِ یزداں ہے
پیمبر فلک آتش زادۂ خلاقِ دوراں ہے

اُسے مرغوب ہے چپکے ہی چپکے دل میں گھر کرنا
اِسے چشم زدن میں برق کی صورت اثر کرنا

خرد بھی ہے ہماری فطرتِ پُر نور کا جوہر
وہ گوہر جس سے خالی ہے کفِ مہر و مہ و اختر

وہ انساں جو پیمبر اہلِ معنی۔ مردِ عاقل ہے
ہمارے نورِ مطلق کی کرن ہے۔ فردِ کامل ہے

ترا نورِ نظر ایسا ہی فردِ نامور ہوگا
ہے جس پر آفرینش ناز کرتی وہ بشر ہوگا

نہیں شاعر مگر زورِ قلم میں اُس کا ہمسر ہے
وہ پیغمبر نہیں لیکن مقاصد میں پیمبر ہے

مسلّم کشورِ ہستی میں ہے فرزانگی اُسکی
کہ یہ ورزِ ازل سے ہے متاعِ خاطرِ ہندی

نہیں موقوفِ فیضانِ ازل پاکیزگی اُسکی
ہے اُس کے تجربہ کا ماحصل پاکیزگی اُسکی

طبیعت میں ہیں نور و نارِ ظلمت او رتابانی
وہ فطرت میں نہیں غیر از سرشتِ عامِ انسانی

وہ عزمِ مستقل سے نفس کو تسخیر کرتا ہے
مکانِ بیخودی کے بام و در تعمیر کرتا ہے

زمیں کی پستیوں سے اوجِ پیمائے ترقّی ہے — اسی سے اُس کی ہستی، ہستی اعلیٰ و یکتا ہے

ترقّی پر تجھے پہنچائے گا روشن ضمیری سے

زمیں بامِ فلک بن جائے گی رفعت پذیری سے"

فرشتوں نے خدائے پاک کا پیغام پہنچایا — کیا بھارت کے سر پر ایزدِ ذی خویش نے سایہ

ملائک کی بشارت سے نہایت خوش ہوئی بھارت — رُخِ زیبا نکھر کر حورِ جنت بن گئی بھارت

خزاں کے پردۂ بے رنگ سے فصلِ بہار اُبھری — سراسر مستیٔ گل بن گئی اُجڑی ہوئی بستی

دلِ پژمردہ کو اُمید نے رنگِ نمو بخشا — ستارے کی طرح اُس کا رُخِ روشن دمک اُٹھا

مسرت نور بن کر چھا گئی سیمائے تاباں پر — امیدیں جگمگا اُٹھیں فضائے روئے خنداں پر

تصور اُس کو دکھلانے لگا خوش رنگ تصویریں — نظر آنے لگیں سحر آفریں خوابوں کی تعبیریں

یہ کہتی تھی الٰہی! جلد وہ انسان پیدا کر — تمنّا جس کی خاطر پیکرِ سیماب ہے یکسر

نگاہیں دیکھتی ہیں راستہ اُمیدِ فردا کا

یہ حسرت ہے دریچہ وا ہو کب عرشِ معلّی کا

یکایک گنبدِ گردوں کا شق صدر ہو جائے
ہمالہ کی بلندی سے طلوعِ بدر ہو جائے

آفرینش کی تیاریاں

اُدھر اللہ کو بھی عہد و پیماں یاد تھے سارے
یہ خواہاں تھا کہ پورے ہوں کہیں ارمان بھارت کے

عطا ہو جائے اُس کی گود کو نورِ نظر ایسا
کہ دُنیا نے نہ دیکھا ہو کوئی زیبا گہر ایسا

جہاں بیتاب ہے جب ہادیٔ فرزانہ کی خاطر
تو کیوں مخفی رہے کتمِ عدم میں رہبرِ شاطر

زمانہ منتظر ہے خسروِ خاور کی آمد کا
نہیں زیبا عمل باقی رہے شبہائے اَسود کا

یہ سوچا اور پھر فرمان دیا حق نے فرشتوں کو
کہ اک کارِ اہم کے واسطے تیار ہو جاؤ

ہمیں آج اک نئے آدم کی پھر تخلیق کرنا ہے
رگِ افسردۂ ہستی میں تازہ خون بھرنا ہے

فرشتے صدر سے یہ حکم پا کر جوں شرر اُٹھے
حدودِ عرش سے مانندِ برق بیقرار اُٹھے

درونِ سینۂ قُدرت کی عمل کی بجلیاں بھر دیں
ہر اک ذرّہ میں برقِ طُور کی چنگاریاں بھر دیں

قوائے سرد خونِ زیست کو اذنِ نمو بخشا
نفس سے تا لبِ ہستی ہیں شورِ ہائے و ہو پھونکا

اِدھر آواز دی قدرت کے بیجس کارخانوں کو
کہ اے واماندگانِ خوابِ غفلت ہوش میں آؤ

اُدھر خود بھی ہوئے افلاک سرگرمِ نیاری!
دکھانے لگ گئے دستِ ملائک کی فسوں کاری

اگر اس جا ملک دُنیائے دل تعمیر کرتے تھے
تو عنصر یاں رباطِ آب و گل تعمیر کرتے تھے

فلک پر ایک ہنگاموں کا اِک ہلچل کا عالم تھا
عجب رونق عجب سرگرمیاں تھیں شورِ پیہم تھا

کوئی سمجھے فلک پر جشن کے ساماں ہوتے تھے
نئی تخلیق کی خاطر پڑے ساماں ہوتے تھے

فرشتے اپنے پر پھیلا کے ہر سُو اُڑ جاتے تھے
کبھی یاں اُڑ کے آتے تھے کبھی واں اُڑ کے جاتے تھے

اشاراتِ خداوندی پہ تارے توڑ کر لانا
کبھی دریا کی تہ سے بے بہا لعل و گہر لانا

کن اجزا سے بنا اس گوہرِ خوش آب کا پیکر
جو تھا پیشور کی صنعِ لامحدود کا محور؟

خدا کے حکم سے کرّوبیوں نے بحر و بر چھانے
بہم کیں جو گزیں خاصیتیں تھیں بزمِ ہستی میں

ضو شفافِ ماہِ چاردہ کا کیفِ رُوحانی — نجومِ شبنمِ افشاں کی سُہانی لمعِ عرفانی

سحر کی دلنشیں پاکیزگی حُوروں کی معصومی — اُوداہٹ گرد دکانِ بےخبر کی چشمِ موزوں کی

صفائے گوہرِ غلطاں ضیائے عصمتِ شبنم — رقیق القلب شاعر کا سرشکِ دیدۂ پُرنم

دلِ عابد سے حاصل کی ادائے پاکدامانی — دلِ عشاق سے شوریدگی آشفتہ سامانی

علامت بُخل کی ظاہر نہ کی فیاض قُدرت نے
خزانے جمع کر کے رکھ دئے دُنیا کے میداں میں

بخیلی کا تو کیا مذکور ہے وہ صُورتِ مادر — ترستی تھی کہ اُس کا خون ہو صرف اُس کے بچے پر

مسلّم ہے کہ بیماری میں بھی جب وقت پڑتا ہے — ہمیشہ تا جنیں خونِ مصفّا ہی پہنچتا ہے

طبیعت سہتی ہے رنجوریاں تولید کی تن پر — ہزاروں کُلفتیں اوجاع و تکلیفات و دردِ سر

اگر اک مُور بھی ہوتا ہے اُس کے بطن سے پیدا — تو اِس دُنیا کی ایک اک شے سے بنتا ہے خمیر اُس کا

کوئی خفاش بھی آفاق میں تکوین پاتا ہے — تو پستانِ قمر سے اُس کی خاطر دُودھ آتا ہے

یہ حالت ہے تو پھر آفاق میں پیدائش انساں — نہ کیوں ہو باعثِ ہنگامۂ بیتابیِ دوراں

وُہ انساں جس کی قسمت پر فرشتے رشک کرتے ہیں
وہ جس کو دیوتا بھی دیکھ کر اِک آہ بھرتے ہیں

بشر جس کو کہے تخلیقِ قدرت کا جگر گوشہ
جو واحد منتہائے آرزوئے آفرینش کا

بہت دُکھ سہتی ہے آفاق تا کوئی بڑا انساں
نمایاں پہلوئے قدرت سے ہو مثلِ گُلِ خنداں

نہایت تن دہی سے نقشِ ناز اُس کا بناتی ہے
ہزاروں لعل و گوہر اُس کے صدقے میں لٹاتی ہے

اُسے حاصل نہیں گو کچھ بھی اِس محنت مشقت سے
مگر وہ دِل شُدہ مجبور ہے جوشِ محبت سے

یہی امرِ طبیعی تھا محرک فیضِ قدرت کا
یہی ربطِ کہن ماں اور بیٹے کی محبت کا

اِسی سے مادرِ گیتی نے تائیدِ بلانک کی
کلیدِ قفلِ خاک اُن کے مبارک ہاتھ میں دے دی

خود اشیائے جہاں اپنے خزائن پیش کرتی تھیں
اور اپنی "ڈالیوں" کے منتخب ہونے پہ مرتی تھیں

کہ شاید اِس طرح وہ دہر میں ممتاز ہو جائیں
زمیں کی پستیوں سے آسماں پرواز ہو جائیں

ملیں کانِ جواہر میں کریں تا کسب پیدا
ڈھلیں انساں کے پیکر میں کہ ہو ذوقِ نظر پیدا

اِسی پل پر کیا چشموں نے حاضر اپنا آئینہ
کہ ہے میلِ کدورت سے معرّیٰ آب کا سینہ

شعائیں مہر کی سرگرمیٔ نشوونما لائیں   نگاہیں اختروں کی اپنا اندازِ سکوں لائیں

دیا بہمیش استقلال اگر کُہسارِ محکم نے!   تو طبعِ نرم و نازک پیش کی قطراتِ شبنم نے

بڑھیں کچھ بھولی بھالی فاختائیں سادگی لیکر   ہُوئیں گُم اپنا اپنا ہدیۂ معصومیت دیکر

حلاوت شہد کی تسلیم کی گلہائے رنگیں نے   عطا کر دی ادائے بے خودی حُسن نگاریں نے

ہُوا اِس طرح یکجا عِطر اجزائے طبیعت کا

تو لے کر اُس کو اک علوی فرشتہ پیشِ حق پہنچا

خدا نے مادۂ بے حس میں رُوحِ زندگی پُھونکی   دمِ معجز نشاں سے حرفِ کُن کو تازگی بخشی

فرشتوں نے اُسے گھولا صفا گنگا کے پانی میں   ملائیں ساتھ گائے کے مُصفا دُودھ کی دھاریں

ہُوا اِس طرح تیار اک مُرکب رُوح پانی کا!

جو صنعِ خالقِ دانا فرشتہ قدرت کا عامل تھا

دُعائے خیر و برکت لے کے آئیں خلد کی رُوحیں   عطا کیں اپنی اپنی خوبیاں جوشِ محبت میں

دمِ معجز اثر بخشا مسیحِ ابنِ مریم نے   دلِ دردآشنا و چشمِ پُرنم رُوحِ گوتم نے

مکمل ہو گیا اس طرح یہ نقش فسوں پرور
سمٹ کر بن گیا اک گوہر تابندہ یہ جوہر

اب اس گوہر نے زیب گلشن آفاق ہونا تھا	ٹپک کر عرش سے بطن صدف میں جا سونا تھا
مگر کوئی زمیں جب اس قدر محبوب رحماں ہو	تو کیوں افتاد عام اس کی پسند طبع یزداں ہو
اسی کا دھیان تھا جب ایزد ذی خویش و برتر نے	فراغت پا کے اس گوہر کی تکمیل و نہایت سے
ذرا کچھ سوچنے کیواسطے اہمال فرمایا	کہ کس جا نزول اس گوہر زیبا و یکتا کا
نظر ڈالی زمیں پر عرش کی سقف مقرنس سے	نمایاں ہو گئے فی الفور بھارت دلنشیں کے خطے
کہیں پنجاب کا زرکار۔ مردم خیز خطہ تھا	کہیں بنگال کا مشہور سحر انگیز خطہ تھا
یہاں سرحد کی سنگینی اور خشونت زا دبستی تھی	وہاں غزنی حصص کے ریگزاروں کی فراخی تھی
نظر آیا اسی دنیا میں کاٹھیاواڑ کا صوبہ	جسے رب علا نے اس شرف کا مستحق سمجھا
اسی عالم میں حق گو اور باتیں بھی نظر آئیں	جو اپنے ساتھ اک خاموش پیغام اثر لائیں
وہ کیا باتیں تھیں جن سے ایشور نے بھی ترس کھایا	وہ کیا برقی اثر تھا جس نے اس کے دل کو گرمایا

نہیں چلتا یہاں پر سحر گو زورِ عبارت کا
قلم یوں کھینچتا ہے صورتِ حالات کا نقشہ

حق تعالیٰ عالمِ سفلی پر نظر دوڑاتا ہے

نظرِ یزداں کو آئی ایک غیر آباد آبادی
وہ بستی تھی مگر اُجڑی ہوئی ویران سی بستی

بھیانک مُردنی چھائی ہوئی شہر و بیاباں پر
کبھی گذرا تھا گویا اُس پہ اک جنات کا لشکر

وہ ہیبتناک وحشت جس سے زہرہ آب جائے ہو
وہ دہشت جس کے آگے موت محوِ خواب جائے ہو

نہ تھا اِس خطّۂ ویراں میں کوئی لطف کا ساماں
ٹپکتی تھی ہر اک ذرّہ سے تنگی خلوتِ زنداں

چھدا تھا جسم سب کفشِ گراں کی میخ آہن سے
ہزاروں زخم پیدا خنجر و شمشیر کے تن سے

عناصر چاہتے تھے اِس کے پیکر کو
غذائے نار کرنا چاہتے تھے اِس کے دفتر کو

نظر آئی الٰہ العالمیں کو اک جماعت بھی
جو درگاہِ خدائے پاک میں محوِ عبادت تھی

سُنیں پہلے تو خالق نے دعائیں اور مناجاتیں
ہوئیں پھر گوش زد کچھ اور شکووں سے بھری باتیں

یہ شکووں سے بھری باتیں ذرا سُننے کے لائق ہیں — مہذب طعن کی باتیں جو سُر دھننے کے لائق ہیں

ایک جماعت کی فریاد

کہاں اے ربِّ عزت، نورِ مطلق ایزدِ سبحاں — یہ سُنتے ہیں تری ہستی سے ہے زیبائشِ دوراں

ہمیں شک ہو رہا ہے تیرے اندازِ تغافل سے — کہ باطل ہیں دلائل تیری ہستی کی شہادت کے

اگر ہوتی تیری ذاتِ مقدس حاکمِ دوراں — تو بن جاتے ترے افعال ہی تیرے لئے برہاں

مگر جو کچھ ہماری جان پر ہر دم گذرتی ہے — ہماری فہم پر اس شبہ کی تصدیق کرتی ہے

کہ ناموجود ہے روزِ ازل سے شخصیت تیری

کم از کم اب تری ہستی کوئی ہستی نہیں رکھتی

بلاتے ہیں ترے بندے تجھے اور تو نہیں سُنتا — بھلا تجھ سے زیادہ قاضی الحاجات کیا ہوگا

جو اس شور و شغب پر بھی وہی ہو حق کا عالم ہے — تو کیا اپنی صدائیں پست ہیں یا تو ہی اعجم ہے

اگر تو اپنے مظلوموں کی یوں امداد فرمائے — ترے موجود ہونے میں نہ کیوں ہم کو یقین آئے

یہی جور کرتا ہے اگر تو حق پسندوں کو — تو اس دستور سے آگاہ فرما اپنے بندوں کو

کہ وہ تیری خدائی سے تعلق فسخ کر ڈالیں

کسی باہوش۔ مردِ کار پر ایمان لے آئیں

ہری، پرمیشور۔ پروردگار و مالک و داور — کریم و دستگیر و ناصر و حاجت روا۔ یاور

یہ سب القاب ہیں منسوب محبوب حقیقی سے — کہ یوں ہی نام رکھ چھوڑے ہیں اک موہوم ہستی کے

حقیقت میں تری ہستی ہے اک افسانۂ باطل — جو سچ بھی ہو تو ہم کو اس کی سچائی سے کیا حاصل

کہ ہم پھر بھی زمانے میں ذلیل و خوار رہتے ہیں،

ہمیشہ مبتلائے کلفت و ادبار رہتے ہیں

ہمیں پیدا کیا تھا تو نے دنیا میں ستانے کو — ازل سے تا ابد دامِ مصیبت میں پھنسانے کو

جو دکھلانی تھی تو نے ہم کو ایسی شانِ خلاقی — تو بہتر تھا کہ وہ کنجِ عدم میں منزوی ہستی

مگر یہ سب شکایت دل جلوں کی آہ و زاری ہے

بدن کا آگ سے جلنا مقامِ بے قراری ہے

ہمیں اپنی شکایت کا بہت افسوس ہے یارب
نہیں ہم کو طریق کار سے تیرے کوئی مطلب

فقط اپنے مصائب کا گلہ مقصود تھا ہم کو
کہ شاید یوں تری ہی چشم توجہ ہم پہ مائل ہو

کہ ہم اب خستہ و بے حال ہیں افلاس کے مارے
مزید آفات کے چرکے سہارے ہی نہیں جاتے

ترے پیش نظر ہے کشت و خوں کا منظر خونیں
فساد آرائیاں اہل وطن کی اور مظلومی *

تباہی ناتوانی قحط و مرگ اور کلفت و ایذا
الٰہی کچھ تجھے احساس بھی ہے ان مصائب کا؟

ترا وعدہ تھا میں اک کرشن کا اوتار بھیجوں گا
ہدایت کیلئے پیغمبر و شاہ عرب بھیجوں گا

کرے گا رہبری خلق خدا کی یہ بزرگ انساں
تو ہو جائیں گی ہم پر زندگی کی مشکلیں آساں

ترے ہادی کے آنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے؟
ہمارے سر پہ قسمت کا ابھی کچھ پھیر باقی ہے؟

نہ بڑھ جائے کہیں حد سے زیادہ دیر فرمائی
بقدر یک رمق باقی ہے یاں تاب شکیبائی!

تنگ آ کے گذر کر ہم کہیں منکر نہ بن جائیں
پرستاران مومن بندۂ کافر نہ بن جائیں

الٰہی ہم تری درگاہ میں فریاد کرتے ہیں
ستم سے تنگ آ کر شکوۂ بیداد کرتے ہیں

ہماری ناکسی پر رحم کر بیکس نہ رہنے دے
ہمیشہ کے لیئے بیچارہ و بیکس نہ رہنے دے

دکھائی دے رہی ہے تجھ کو اک اُجڑی ہوئی بستی
یہ تیرے رحم سے اک آباد بستی بن نہیں سکتی

عطا کر دے اِسے آباد کرنے کیلئے وہ شے
کہ جس کے واسطے اک دیر سے بھارت ترستی ہے

عطا کر دے اِسے وہ راہبر جس کی ہدایت سے
دیارِ ہند تکلیفات سے آزاد ہو جائے ٭

اثر دکھلا گئیں یہ آرزوئیں اور دعائیں
کہ دل میں کھب گئیں خالق کے یہ چبھتی ہوئی باتیں

تہیہ کر لیا اُس نے کہ جتنی جلد ممکن ہو
عطا ہو جائے اُس کا بیش قیمت لعل بھارت کو

مگر پھر بھی خدا کو جستجو تھی دُرجِ گوہر کی
جو اس لولوئے لالا کی امانت دار ہو سکتی

نظر حق نے دوبارہ مجمعِ فریاد پر ڈالی
تو اُس کو اک عفیفہ بزمِ شیوون میں دکھائی دی

پتلی بائی ۔ گاندھی جی کی ماتا

وہ عورت جو مجسم روح تھی پرہیزگاری کی
بہ صدقِ قلب کرتی تھی عبادت ذاتِ باری کی

ہمیشہ نیک کاموں سے اُسے بیوپار رہتا تھا — ہر اک ذی رُوح مخلوقِ خدا سے پیار رہتا تھا

اسیرانِ قفس کو قید سے آزاد کرتی تھی — ہمیشہ دوسرے لوگوں کی وہ امداد کرتی تھی

سحر کے وقت اُٹھتی تھی خدا کا نام لینے کو — فقیروں اور محتاجوں کو جا کر دان دینے کو

چھڑکنا روز پیپل کے شجر پر صُبحدم پانی — بلا ناغہ طیورِ راہ کو تو راک پہنچانی

مدد کرنا غریب و مفلس و نادار لوگوں کی — خبر پُرسی کو جانا شوق سے بیمار لوگوں کی

اگر اک مور کو بھی اُس سے کچھ آزار ہوتا تھا — تو گویا ایک تیر اُس کے جگر سے پار ہوتا تھا

اُسے مذہب سے اپنے اس قدر گہری عقیدت تھی — کہ گویا اک ہی شئے دہر میں شایانِ عزت تھی

برت رکھ رکھ کے اپنی جان کو ہلکان کرتی تھی — خدا کی راہ میں تن من و دھن سبھی قربان کرتی تھی

سدا کھانے سے پہلے حمد و تقدیسِ خدا کرنا — فرائضِ عبادت کے درگاہِ ربی میں ادا کرنا

علالت سے بھی اس معمول میں ہوتی نہ کوتاہی — ودیعت تھی ازل سے اُس کو مذہب کی ہوا خواہی

جہاں کا کام بھی خوبی سے سر انجام دیتی تھی — گرہستی کے سنبھلنے کو بہت اٹکل سی کھیتی تھی

ضمیر اُس کا مجلّی صورتِ آئینہ روشن — سراغِ عرش کی قندیل اُس کا سینۂ روشن

دِلوں پر مُرتسم تھا نقشِ شوخ اُس کی ذہانت کا
عیاں تھا ہر کرِشمہ پر کمال اُس کی فطانت کا

یہ عورت ایک مجموعہ تھی اخلاق و نجابت کا
نہایت دِل نشیں شہ پارہ تھی نقاشِ قدرت کا

خُدا نے اُس زنِ پاکیزہ کو محوِ بُکا دیکھا
الگ اُس مجمعِ فریاد سے وقفِ دُعا دیکھا

زباں اِک آلۂ اظہار تھی اُس دردمندی کا
جِسے فطرت نے اُس کی خاطرِ حِس کو بخشا تھا

وُہ حالت دیکھ کر بھارت کی دِل ہی دِل میں کُڑھتی تھی
گُذرتی تھی گراں ارضِ وطن کی خانہ بربادی

اِسی کے واسطے تھیں اُس کی دردآمیز فریادیں
وُہ فریادیں جو اپنے سوز سے پتھر کو تڑپا دیں!

کہا کرتی تھی اے بھگوان! اِس بستی پہ کرپا کر
معالج بن کے اِس رنجِ مزمن کا مداوا کر

رکھے گی کب تلک تقدیر اِس اقلیم کو ویراں
کہاں تک یہ رہے گی پائمالِ ذِلّتِ دوراں

دِکھائی دیتی ہے میری نظر کو اِس کی ویرانی!
تو اُٹھتی ہے دِلِ رنجُور سے اشکوں کی طُغیانی!

رُلاتی ہی مجھے شام و سحر بھارت کی رُسوائی
گھلا دیتی ہی میری جان کو غم کی جگر جائی ×

مَیں سُنتی ہوں جہاں میں کرشن کا اوتار آئیگا
جو اِس ویرانہ کو فردوس کا ہمسر بنائیگا

مری خواہش ہی یہ زیبا گھر فی الفور پیدا ہو
ہمارا دیش اِس کے دم سے سرگرمِ تقاضا ہو

اگر مجھ کو کہیں یہ گوہرِ شہوار مِل جائے
بلاشک لُطفِ حق سے نعمتِ کونین ہاتھ آئے

یہی میری تمنائے دِلی ہے خالقِ اکبر
کہ ہاتھ آئے مرے بُرجِ شرف کو یہ جمیل اختر

خدایا کب ترا ابرِ کرم بھارت پہ برسیگا
یہ خطہ تا بکے الطاف کی بارش کو ترسیگا

ہوئی جاتی ہی بیدم خلق ساری پیاس کے مارے
نہایت تشنگی پیدا ہی اُس کی خشکی لب سے

زمیں غوطہ لگانا چاہتی ہے بحرِ اخضر میں
کہ شاید نوشدارو پیاس کا ہو موجِ مضطر میں

الٰہی تیری رحمت کی گھٹا کس وقت برسیگی
ہمیں قسمت کہاں تک تشنہ مثلِ خاک رکھیگی

رطوبت سے بھری بحری ہواؤں کو اجازت دے
کہ بھارت کا جگر ٹھنڈا کریں بارانِ رحمت سے

خدائے قدوس کا آخری عزم

بہت دل کو لگی گفتار اس کی ذاتِ باری کو
کہ ہو نازِ تاثر عورتوں کی آہ وزاری کو

برائے سربلندی چن لیا اس کو مشیت نے
کہا لبیک بڑھ کر التجاؤں کو اجابت نے

معین ہوگیا بطن صدف پاکیزہ گوہر کا
ستارہ جاگ اُٹھا پتلی بائی کے مقدر کا

وہ پتلی بائی جو شوکت فزائے صنفِ نازک تھی
چہارم زوجۂ فرشتہ کردارِ کبا گاندھی

قبولیت کا درجہ مل گیا اس کی دعاؤں کو
کیا اللہ نے منظور اس کی التجاؤں کو

اشارہ حق سے پاکر اک فرشتہ خاک پر اترا
اتر کر خامشی کے ساتھ اس کے سامنے آیا

ڈری اس نور کے پتلے کے نظارہ سے وہ عورت
سراسیمہ ہوئی اور جان و دل پر چھا گئی دہشت

فرشتے نے کہا خائف نہ ہو میں مرغِ قدسی ہوں
مقرب نوری درگاہِ ربِ عرش کرسی ہوں

بشارت

ادھر بھیجا ہے تیرے پاس مجھکو حق تعالیٰ نے — سنی ہیں تیری عرضِ مدعا اُس کی ذاتِ والا نے

مبارک ہو کہ تیری آہ و زاری بار لے آئی — ٹپک کر بوند آنسو کی دُرِ شہوار لے آئی

بشارت ہو کہ تیرے گھر میں ہوگا وہ گہر پیدا — فدا ہے آپ جس پر بزمِ کُن کا صانعِ یکتا

ابھی دم سے فلک ہٹ جائیگا مصروف تیاری — کہ تیرے واسطے تیار ہو اک ابرِ آذاری

ترے سر پر سحابِ لطفِ حق گوہر فشاں ہوگا — برسے گا آسماں اِک بادلوں کا کارواں ہوگا

یہ کہہ کر طائرِ قدسی اُڑا افلاک کی جانب

جھکا شرم و حیا سے پُتلی کا سر خاک کی جانب

ذرا اُس جا خموش و سرنگوں ٹھہری رہی آخر — روانہ ہو گئی گھر کی طرف با دولتِ اخفر

جبیں پر روشنی - دل میں خوشی چہرے پہ زیبائی

سعادت کا خزانہ لے کے واپس اپنے گھر آئی

لگے ساماں ہونے عرش پر بارانِ رحمت کے

دیا خالق نے اپنی کارپردازوں کو پھر فرماں
کہ ہو ابرِ کرم سی ہندیوں کے درد کا درماں

سپہرِ نیلگوں پر اِک گھٹا تیار ہو جائے
رگِ نمناک اُس کی موج گوہر بار ہو جائے

اُٹھو دوڑو بڑھو اِس زور سے ہو محوِ تیاری
کہ سکّانِ زمیں پر ایک استعجاب ہو طاری

ملائک بہرِ تعمیرِ سحاب جہد پاش اُٹھے
لگے ساماں ہونے چرخ پر بارانِ رحمت کے

بھڑک اُٹھا تنورِ مہرِ تاباں جب فرشتوں نے
زمانے بھر کا ایندھن لا کے ڈالا اُس کے دامن میں

شعاعیں آگ بن کر بحرِ ازرق فام سے لپٹیں
کہ جیسے بحر کی امواج بھی روغن کی موجیں تھیں

بھڑک اُٹھی بخارِ آب اِک موجِ دخاں بن کر
نظر آنے لگے کالی کالی بدلیاں بن کر

سمندر کی طرف سے مانسون اُٹھتی ہوئی آئی
بنہایت جوش بڑھ کر مغربی گھاٹوں سے ٹکرائی

پلٹ کر آ گئی پھر صوبۂ گجرات کی جانب
مقدّس برگزیدہ مرکزِ برسات کی جانب

سپہرِ نیلگوں پر ابر کے پارے نظر آئے
نشانات اِک گھٹا تیار ہونے کے نظر آئے

یہ متوالی گھٹا بنتی رہی بڑھتی رہی کچھ دن
خراجِ آب سے جیبِ قبا بھرتی رہی کچھ دن

وہ بڑھتے بڑھتے پہنائے فلک پر چھا گئی آخر
برسنے کیلئے جوشِ غضب میں آگئی آخر

یہ حالت دیکھکر لائے فرشتے وہ دُرِ تابا ں
ہوئی تھی ختم جس پر بے نہایت صنعتِ یزداں

اسے پانی کی روشن بوند میں تحلیل کر ڈالا
الٰہی شئے کو مادی چیز میں تبدیل کر ڈالا

گھٹا کے ہاتھ میں دیدی امانت عرش والوں کی
امانت جس کو بن جانا تھا دولت فرش والوں کی

دعا کی جھک کے اس گوہرِ حق میں پیر دوں نے
سعادت بخش دی روزِ ازل کی ایک ساعت میں

مبارک اختروں نے شوق سے اپنا اثر ڈالا
قضا نے اس کے سر پر پرتوِ شمس و قمر ڈالا

فرشتے گیت گانے لگ گئے جوشِ مسرت میں
سماع و رقص کا ہنگامہ تھا ایوانِ جنت میں

صدائے چنگ و دف کے درمیاں نغموں کی شورش تھی
سنائی دیں زمیں کو یہ نوائیں ملاء اعلیٰ کی

فرشتوں کے گیت

پہلا فرشتہ:۔ اے شبستانِ جہاں کی شمعِ روشن کی ضیا
جاں فزا
لمعۂ نورِ ہدے

جس کی تابانی ہے رشکِ جلوۂ شمس الضحیٰ

مرحبا

مرحبا۔ صد مرحبا

کورس:۔ مرحبا۔ مرحبا۔ صد مرحبا

مایہ دارِ رحمتِ حق ہے ترا فرخ نہاد

پاک زاد

گوہرِ علوی نژاد

اے کہ ہے سائے میں ترے دولتِ بالِ ہما

مرحبا

مرحبا۔ صد مرحبا

کورس:۔ مرحبا۔ مرحبا۔ صد مرحبا

رونقِ عرشِ بریں اے جلوۂ پیرائے حیات

جس کی ذات

ہے فروغِ کائنات

نُور ورآغوش ہے جس سے جہانِ ماسوا

مرحبا

مرحبا۔ صد مرحبا

کورس :۔ مرحبا۔ مرحبا۔ صد مرحبا

دوسرا فرشتہ :۔

سب محکمۂ قدر و قضا تیرے لئے ہے

دولت کدۂ ارض و سما تیرے لئے ہے

اے گوہرِ نوحق کی دعا تیرے لئے ہے

آفاق میں جینے کا مزا تیرے لئے ہے

یہ قمری و بُلبُل کا فسوں بیز ترنّم

گلزار میں غنچوں کا نِگارانہ تبسّم

اشجار کا بیساختہ خاموش تکلّم

قدرت کی طرب جوش فضا تیرے لئے ہے

گاتے ہیں تری مدح میں سب لوگ ترانے

اُٹھتے ہیں تری شان میں کیا گیت سہانے

آمد پہ تری بنتے ہیں پُرکیف فسانے

آفاق میں یہ شور بپا تیرے لِئے ہے

حُورانِ جنّت کے گیت

پہلی حُور:- یہ گوہرِ زیبا۔ ربِّ علا کی آنکھ کا روشن تارا ہے

قدرت کے منوہر موہن قلب و جگر کا آتش پارہ ہے

باطن میں سوہن سُندر ہے، صُورت میں پیارا پیارا ہے

کتنا پُر نُور ستارا ہے!

کورس:- کتنا پُر نُور ستارا ہے!

تجھ پر دھرتی شوق سے اپنے تن من دھن کو وارے گی

تیری خاطر اپنی جان پر ہر تکلیف سہارے گی

فخر کرے گی اُس نے خوشی سے تیرا نقش سنوارا ہے

اپنا سب کچھ وارا ہے!

کورس:- اپنا سب کچھ وارا ہے!

تیرا مکھڑا جیسے کوئی پھول کی تازہ پتّی ہو

پھول کی تازہ پتّی جس پر کچھ کچھ شبنم ٹپکی ہو

تیرے مکھڑے کی یہ بہاریں جنّت کا نظارہ ہے

جنّت کا نظارہ ہے!

کورس :- جنّت کا نظّارہ ہے !

دوسری حُور :-

مبارک اے زمیں کو جانے والے آسماں سے

ترا وجود اعتبارِ خاکِ بے وقار ہے

ترے بغیر خاکدانِ تیرہ بے فروغ تھا

نصیبِ شش جہات اَب ہزار جلوہ زار ہے

جہاں کہیں خزاں کی چیرہ دستیوں کا زور تھا

وہاں ہجومِ رنگ و بُو بہار در بہار ہے

رُخِ زمیں پہ چھا گئی ہیں مستیاں بہار کی

ہماری آرزو یہ تھی ترے لئے دُعا کریں

مگر یہ حوصلہ کہاں ترا مقام دیکھکر

بہشت کے محل کی سقف بھی بہت بلند تھی

زمیں میں غرق ہو گئی ہے تیرا بام دیکھکر
نظر میں جمع ہو گئیں تجلیاں جہان کی
ترے سپہر بخت کا مہ تمام دیکھکر
بیاں ہو کس سے شان تیری ذات کے وقار کی

بارانِ رحمت کا نزول

یکایک بادلوں کے درمیاں برق نساں چمکی
گھٹا گرجی گرج کر پہلوئے گجرات میں برسی

امانت سونپ دی اللہ کی بھیگی ہواؤں کو
جو پہنچا دی حفاظت سے انہوں نے دیوتاؤں کو

وہ لے آئے پروں پر لطفِ حق جوشِ محبت میں
ادب سے لار کھا بنیا کے آغوشِ محبت میں

نظر آیا درِ خوش آب بن کر لال بھارت کا
درِ خوش آب جو اب نورِ چشم پتلی بائی تھا

خوشی میں مست ہو کر گیت گایا ئے سے بھارت نے
جسے ہم منسلک کرتے ہیں ہاں سلکِ عبارت میں

کہا یارب! نہایت شکر ہے تیری عنایت کا
نہیں اندازہ کوئی تیرے لطفِ بے نہایت کا

کہاں میں ایک ادنیٰ پست اور ناچیز سی ہستی
کہاں تیری عظیم الشان جلالت سے بھری ہستی

یہ تکریم و سرافرازی تری بندہ نوازی ہے
وگرنہ تجھ سے کس کو جرأتِ گردن درازی ہے

کھلا اب مجھ پہ عقدہ تیری پر معنی خموشی کا
کہ خالق آفرینش میں کبھی عجلت نہیں کرتا

بغایت صبر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے
پس از اندیشۂ بسیار کُن کا لفظ کہتا ہے

جہاں کی کوئی شے بھی دفعتاً پیدا نہیں ہوتی
نہ ہو جب تک نمو ہرگز جہاں آرا نہیں ہوتی

میں اب سمجھی تساہل میں ترے یہ راز پنہاں تھا
کہ اس روشن گہر کی پرورش وقت کا سامان تھا

وہ پانی کی ذرا سی بوند روشن قطرۂ شبنم
فدا ہے جس کے جلووں پر نگاہِ نیرِ اعظم

یہ قدرت کا حسیں رس کس طرح تیار ہوتا ہے
سرشکِ مختصر کیونکر دُرِ شہوار ہوتا ہے

بخارات اٹھتے ہیں آہستہ آہستہ زمینوں سے
لگے رہتے ہیں اپنے کام میں قدرت کے کارندے

تپش خورشید کی تبخیر کی صورت بناتی ہے
ہوا اسفنج بن کر جذب کی قوت دکھاتی ہے

فضا پُر ہوتی جاتی ہے رطوبت جذب ہو ہو کر
چھلک جانے پہ مائل ہوتی ہے سرشاری ساغر

ہلا دیتی ہیں جامِ بادہ کو سرمستیاں شب کی
نمی شبنم سے بھر جاتی ہے صحنک پھول کے لب کی

خموشی سی طبیعت یہ گہر تعمیر کرتی ہے
ہمیشہ دل کے خلوت خانہ میں تدبیر کرتی ہے

یونہی انسانیت کا عطر بھی تیار ہوتا ہے
بہت مشکل سے پیدا یہ گلِ گلزار ہوتا ہے

سمجھ آیا مجھے رازِ کہن تیرے تعطل کا
گلہ مجہول نکلا تیرے اندازِ تغافل کا

ہوئے مفہوم اب قدرت کے وہ افعالِ مبہم بھی
سمجھ سے جن کی میری قوتِ ادراک قاصر تھی

پہن کر چاندنی کا جامۂ احرام پیوستہ
قمر کس کے لئے طوفِ حریمِ خاک کرتا تھا

ستاروں کی یہ ننھی ننھی پیاری دلنشیں روحیں
یہ کس کی راہ میں کرتی تھیں روشن طور سی شمعیں

یہ کس کو ڈھونڈھتا تھا چرخ سورج کا دیا لے کر
زمیں کو دیکھتا تھا ڈھونڈھنے والی ضیا لیکر

لگن میں کہکشاں بیٹھی تھی کس تابندہ اختر کی
قبا کے واسطے مطلوب تھا کوئی نیا موتی

سحر کیوں جھانکتی تھی غرفۂ مشرق سے رہ رہ کر
نہایت مضمحل تھی ہجر کے صدمات سہہ سہہ کر

زمیں کیوں دیکھتی تھی آسماں کو چشمِ حیراں سے
اُترنی تھی کوئی حورِ مقدّس باغِ رضواں سے

کوئی پوچھے ضرورت کیا پڑی تھی خاکِ گلشن کو
کہ بھر لے لعبتانِ[۱] رنگ و بُو سے اپنے دامن کو

سبب کیا تھا کہ دنیا رنج سہہ کر بار جنتی تھی
یہ کڑیاں جھیلتی تھی سختیوں سے جاں پہ بنتی تھی

ہوا کس کے لیے سہتی تھی سورج کی حرارت کو
گوارا کس لیے کرتی تھی طغیانِ شرارت کو

سہیں کس کے لیے یہ سختیاں اربع عناصر نے
نظر آئی انہیں کیا مصلحت دامِ مصیبت میں

سمجھ میں آگیا اب مدّعا ان کی تگ و دو کا
یہ سارا اہتمام اس گوہرِ تاباں کی خاطر تھا

زہے قسمت یہ روشن بے بہا لعل آگیا آخر
فغاں سن کر برائے پرسشِ حال آگیا آخر

یہ حاصل ہی مری خلقِ خدا کی التجاؤں کا
یہی ہے نقطۂ جاذب عقیدت کی شعاعوں کا

[۱] رنگ اور بو کی گڑیاں یعنی پھول

اِسی کے واسطے قوسِ قزح ہاتھوں کو پھیلا کر | پئے آغوش دائم منتظر رہتی تھی بادل پر
یہ وہ ہستی ہے جس کی شخصیت کے بارِ سنگیں کا | زمیں کی پُشتِ نازک سے تحمّل ہو نہیں سکتا

※ . . . .

※ . . . .

نہیں ثانی جہاں میں جس کا وہ انمول موتی ہے | ضیا اس کی قمر کو بحرِ خجلت میں ڈبوتی ہے
زرِ خالص نہیں کانوں میں اس کی شان و شوکت کا | نہ کام آئیگا جاؤ وِ مہرِ تاباں کی حرارت کا
یہ وہ سونا ہے جس کی عرش پر تخلیق ہوتی ہے | عبث دریا دنیا ریت کو لیکے دھوتی ہے
ملا اس سے شرف یہ خاکِ پاکِ پوربندر کو | کہ دیکھے چشمِ کم کیسا تھا یہ کاستی کے مندر کو

یہی ہے گوہرِ زیبا و بیضا از ہر و اضحیٰ

تجلّی وش ۔ تجلّی خو ۔ تجلّی رُو ۔ تجلّی زا

چمک میں لعلِ رُمّانی دِمک میں گوہرِ کانی | بہ ظاہر ماہِ کنعانی ۔ بہ باطن شیرِ سُبحانی
یہ مستی پنبۂ مینا ۔ الستی جلوۂ سینا | طرازِ پیکرِ ہستی مثالِ دیدۂ بینا

ہمیشہ خیر و خوبی اور محبوبی ہیں پُر اجلالؔ | ہمایوں فال مہ تمثال خوش اقبال فرخ فال

نظر ہو حسن و خوبی پر اگر ناہید وش کہیئے | جلالت ہو اگر پیشِ نظر خورشید فش کہیئے

زمینوں آسمانوں پر اعالی کیا ادانی کیا | رجالِ آسمانی کیا مشاہیرِ مکانی کیا

اسی کی حرمت و تعظیم پر تقدیم کرتے ہیں | اسی کا احترام و عزت و تکریم کرتے ہیں

مبارک ہو زمیں پر کرشن کا اوتار آیا ہے

"خدا کا جلوۂ پنہاں بروئے کار آیا ہے"

ادھر بھارت تھی اس کی شانِ اقدس میں ثنا گستر | ادھر دنیا کے گانے ختم تھے اس کے محامد پر [۲]

فضائیں جوش سے بیدار سی معلوم ہوتی تھیں | ہوائیں بجلیاں طرّار سی معلوم ہوتی تھیں

فضا زندہ تھی یوں جیسے بنا ذرّوں کی تگاپو سے | کہ گویا اک خمیر اٹھتا تھا اس کے ہر بنِ مو سے

ہوائیں گوشِ گل میں کچھ نئی کی بات کہتی تھیں | برائے خیر و برکت ہر نفس صلوات کہتی تھیں

[۱] ناقدانِ فن پر واضح رہے کہ ہمارے نزدیک عروض کی بنا صوتی اجزا (syllables) پر ہے بجوز اور سماعات پر نہیں۔

[۲] جمع محمدت بمعنے اوصافِ حمیدہ و عاداتِ نیک

کھڑی تھیں شاخِ گُل کے ہاتھ پر سیمیں بدن کلیاں | کہ دیکھیں باغِ ہستی کا عجائب رونق و ساماں

ہوا میں اُڑ رہی تھیں تتلیاں رنگیں نشاں لے کر | کہ اُس کے پاس پہنچیں کچھ کھلونے ارمغاں لے کر

چمن میں بلبلیں اک دوسرے پر رشک کرتی تھیں | قبولِ نغمۂ توصیف کی عزت پہ مرتی تھیں

پرو کر سلکِ زریں اوس کی بوندیں شعاعوں نے | رکھی تھیں تا کہ اُس کو موتیوں کا ہار پہنائیں

زمینوں نے اُگل ڈالے خزانے لعل و گوہر کے | بھرا داماں گلشن حشر و نشرِ سبزہ و گُل سے

سراپائے جہاں پر چھا گئی اک لہر مستی کی
گراں خوابیدہ قسمت جاگ اُٹھی دنیائے ہستی کی

بہم ہو کر خدائی کے مُبارک دینے آئے | وفورِ جوش میں مدح و ثنا کے زمزمے گائے

مخاطب کر لیا اُس طفلکِ پاکیزہ گوہر کو | ہوا میں کر دیا تحلیل اس قندِ مکرر کو

نمسکار[۱]

[۱] بعض اصحاب کی التماس پر نمسکار کے بہت سے اشعار کاٹ دئے گئے ہیں۔ اس سے اسکی ادبی وقعت پر بہت اثر پڑا ہے جس کو اربابِ نظر محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

نمسکار اے خدا کے برگزیدہ ۔ نامور انساں
نمسکار اے کہ تیری ذات پر ہے ایشور نازاں

خدا نے بخش دی ہے آدم کی افتادگی تجھ کو
اطاعت، انکساری، سادگی، آزادگی تجھ کو

بشر کیا تیرا حیوانات کے سر پر بھی ہے سایہ
خدا نے ختم کر ڈالی تجھی پر رحم کی مایہ

وہ جس کے واسطے رفعت بھی پستی کو ترستی ہے
تری پُر نور ہستی ہے ۔ تری پر نور ہستی ہے

مثالِ شمع جلنے والے اس آفاق کے غم ہیں
ہیں اک دنیا کے آنسو جمع تیری چشم پُرنم ہیں

تو باطل کے مخالف حق پرستی کا مجاہد ہے
لڑائی کے مخالف صلح کے لشکر کا قائد ہے

گئورکھشا کے حامی شانتی کے پالنے والے
جہاں کے سر سے سب آئی بلائیں ٹالنے والے

میسّر ہو تری آمد سے پھر بھارت کو خوش حالی
ترے آنے سے واپس آئے دورِ فارغ البالی

مبارک ہو ترا اس گلشنِ برباد میں آنا
مبارک سود بن کر اس زیاں آباد میں آنا

گاندھی جی کے والدِ بزرگوار

ہُوا اِس طرح اک ہنگامہ برپا بزمِ ہستی میں
بپا اک غل ہوا بندر کی خوش اقبال بستی میں

تو یہ فرحت اثر آواز تا گوشِ پدر پہنچی
ضمیموں کی طرح فی الفور یہ تازہ خبر پہنچی

بہت عجلت دکھائی باپ کے شوقِ مسند نے
پدر جانِ پدر سے ہنس رہا تھا ایک ساعت میں

یہ انساں کون تھا جس کو ملا یہ رتبۂ عالی
یہ قسمت کا دھنی تھا کس نہالِ سبز کی ڈالی؛

نہالِ سبز تھی ذاتِ سوم وہ ہندو جاتی کی
نمایاں کام تھے جس کے تجارت اور کشاورزی

برن جو ویش کہلاتا ہے اس معشر کی ذاتوں میں
ہیں جس کی اور برنوں کی طرح اُگی کئی شاخیں

اُنہی میں ایک تحتی شاخ تھی اُن موڈھیوں کی
ہے جس کے خاندانوں میں شمارِ دودۂ گاندھی

اگرچہ ابتدا میں کام تھا پرچون فروشی کا
مگر دو تین پشتوں سے وزارت سے تعلق تھا

وزارت کا ٹھیا وارڈی ریاستہائے غربی کی
وہ جن پر چند راجانِ قدیمی کی حکومت تھی

اوتا گاندھی جو اپنے نامور پوتے کے دادا تھے — نہایت با اصول اور صاف باطن مرد دانا تھے

انہی کی راست کرداری کی نسبت اک روایت ہے — بہشتِ ذوق ہے آویزۂ گوشِ سماعت ہے

قلم اس پاک مضموں کے لئے محوِ طہارت ہے — خدا کی ذات سے جویندۂ زورِ عبارت ہے

اوتا گاندھی کا علوئے اخلاق

اوتا گاندھی وہ شیر بیشۂ بیباکی و ہمت — میسر تھی وزارت سے جسے شانِ سلیمانی

جو تدبیر و سیاست راست کرداری میں یکتا تھا — مسلّم تھی کہ وہ مہ پر ادائے پاک دامانی

ہوئیں جب فتنہ پرورِ سازشیں حدِ مخالف کی — تو ہجرت پر ہوا مجبور یہ دیوانِ لاثانی

کیا ترکِ وطن چھوڑا تعلق پوربندر کا — عجب گردش میں لائی آسماں کی فتنہ سامانی

اماں پائی مقامِ جوناگڑھ میں اس ستم کش نے — ہوئی راجہ سے جس جا شفقتِ مہجور ارزانی

مگر جب یہ مروت کیش اس کے سامنے آیا — تو اپنے دستِ چپ سے[1] بندگی کی نذر گزرانی

[1] یعنی بائیں ہاتھ سے سلام کیا۔

کسی نے دیکھ کر پوچھا یہ فعلِ غیر مستحسن ۔۔۔ کہ یہ بے حرمتی اے باریابِ بزمِ خاقانی

تری وضعِ امارت سے عجب معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ یہ توہینِ ادب ہے باعثِ صد گونہ حیرانی

کہا اوتا نے اپنی رعبِ دار آواز میں سچ ہے ۔۔۔ مری تسلیم گذری ناگوارِ طبعِ سلطانی

مگر از بسکہ دستِ راست[ل] اِس مجبورِ انساں کا ۔۔۔ رہینِ پوربندر ہو چکا از حکمِ ربانی

نہیں زیبا کہ یہ اغیار کے دربار میں اُٹھے

نہیں منظور نقضِ عہد کی مجھ کو پشیمانی

اجل نے چھین لی تھی پہلی بیوی اوتا گاندھی کی ۔۔۔ اِسی کے واسطے کرنی پڑی اُن کو نئی شادی

ہوئے اِس دوسری شادی سے پیدا اُن کے دو بیٹے ۔۔۔ کرم چند اور تُلسی جن کے اسمائے گرامی تھے

قلمدانِ وزارت پوربندر کی ریاست کا ۔۔۔ بہ تحویلِ عنانِ مرتبت دونوں کے ہاتھ آیا

کرم چند اوتا گاندھی اس گلِ رنگیں کے والد تھے ۔۔۔ دماغِ زندگی تازہ ہوا جس کی طراوت سے

اجل نے اِن کے گھر میں بھی کئی شبخون مارے تھے ۔۔۔ کئی خوں ریز نشتر اُن کے سینے میں اتارے تھے

ل دایاں ہاتھ۔

ہوئی تھیں تین ازدواجِ مطہر رونقِ خانہ — ہوئیں تینوں کی تینوں عالمِ ہستی سے بیگانہ

چہارم زوجۂ پاکیزہ گوہر پُتلی بائی تھی؛ — جسے لطفِ خدا سے نعمتِ کونین ہاتھ آئی

اِسی بیوی کی صُورت تھی سراسر فطرتِ شوہر — درخشاں تھے بہت آئینۂ اخلاق کے جوہر

اگرچہ ازدواجِ آخری سنِ کہولت میں — عیاں کرتا ہے غلبہ نفس کا اُس کی طبیعت میں

مگر پھر بھی شرافت اُس کے چہرے سے نمایاں تھی — ضیا معصومیت کی طلعتِ زیبا پہ خنداں تھی

شجاعت کیا، صداقت کیا، سخاوت کیا، اخوت کیا — وہ انساں ایک مجموعہ تھا اِن زیبا خصایل کا

اُسے اپنے قبیلے سے بہت گہری محبت تھی — نہایت پاسداری تھی اُسے خویش و اقارب کی

امانت میں خیانت قابلِ نفرت سمجھتا تھا — ہمیشہ اِس کو حیوانات کی خصلت سمجھتا تھا

یہ انساں شیفتہ تھا عدل اور منصف مزاجی کا — ریاست بھر میں اُس کی معدلت گستری کا چرچا تھا

گِنا جاتا تھا اول خیر خواہی میں ریاست کی — یہ خوبی ہر طرف مشہور تھی اُس کی طبیعت کی

اوتا گاندھی کی طرح ان کی بھی اک عمدہ روایت ہے

قلم کے واسطے پھر موقعِ شغلِ طہارت ہے

کستبا گاندھی کی زندگی کا ایک روشن واقعہ!

از بس رعونتِ نسبی کا فتور تھا — بر خود غلط حباب بسر پُر غرور تھا
جوشِ نوائرِ غضبی کا ظہور تھا — ماتحت کو عتاب دکھانا ضرور تھا

جنبش میں آئی افسرِ طنّاز کی زباں
راجہ کے برخلاف کیا طعن ناگہاں

تذلیل بے سبب زرہِ افتخار کی — توہینِ ناسزائے شہِ باوقار کی
گستاخ طرزِ حرف زنی اختیار کی — وہ گرمیِ مزاج و زباں آتشکار کی

سن کر جسے کبا کا عجب حال ہوگیا
یک لخت فرطِ طیش سے منہ لال ہوگیا

بولا کہ آپ کی یہ عبارت بجا نہیں — راجہ کی شان میں یہ سفاہت روا نہیں
دشنام و طعن خصلتِ اہلِ حیا نہیں — حاکم کو حاجتِ سخنِ ناسزا نہیں

طرزِ کلام افسرِ اعلیٰ نہیں ہے یہ
شایانِ شانِ حضرتِ والا نہیں ہے یہ

ظالم کو اس سخن نے غضبناک کر دیا — سرکش مثالِ شعلۂ بیباک کر دیا
آتش مزاج و جابر و سفاک کر دیا — مانندِ مارِ شانۂ ضحاک کر دیا
کہنے لگا کہ تم سے جو گستاخیاں ہوئیں
جز اعتذار ان کی سزا سے مفر نہیں

لیکن حریفِ غیرتِ قومی کا پاسدار — تھی جس کے دل میں الفتِ آقائے نامدار
آتی تھی جس کو غیر کی خدمتگری سے عار — اس سے یہ چشم داشت کہ لے نامِ اعتذار
وہ استوار صورتِ الوند ہو گیا
پاداشِ سرکشی میں نظر بند ہو گیا

اپنی سی کی بہت ستمِ بے حساب نے — لیکن ذرا اثر نہ دکھایا عتاب نے
پائی شکست حاکمِ عالی جناب نے — ستیا گرہ کے معجزۂ لاجواب نے

سحرِ جلال سے اُسے مسحور کر دیا
تنسیخِ حکمِ قید پہ مجبور کر دیا

کیا گاندھی کو ایشور کا دیا سب کچھ میسر تھا
بہت آسودگی تھی کوکبِ تقدیر یاور تھا

مگر خواہش نہ تھی اُس کو وفورِ مال و دولت کی
دلِ آزاد کو مرغوب تھی دولت قناعت کی

آخری عمر میں کحلِ بصارت بن گئی گیتا
انیس و ہم جلیس یا کنجِ خلوت بن گئی گیتا

عدم کو چل بسے جب چھوڑ کر اُس دارِ فانی کو
تو شہرت ہاتھ آئی اُن کی موہن داس گاندھی کو

وہ موہن داس گاندھی بطنِ گیتی کا دُرِ مکنوں
چمک سے جس کی شرمندہ ہے نورِ دیدۂ گردوں

یہ تھی اک مختصر سا اس گوہر کے آنے کی
سنو اب کیفیت تفصیل سے تشکیل پانے کی

در شعر و سخن ہمدم از مغربیاں کم گو
از خمکدۂ مشرق اینک مئے گلفامے
(خاور)

زندگی

یا

ایک انسان کی تربیتِ نفس

اظہار حقیقت

بہ طرزِ مختصر اظہارِ مضمونِ حقیقت ہے
یہ سیرت دہر کے ہر خاص و عام انساں کی سیرت ہے
بیاں تاریخ کے پردہ میں ہے افسانۂ رنگیں
پیامِ درکِ معنی بہرِ اربابِ بصیرت ہے

(خاور)

پہلا باب

آفتاب

طلوعِ صبح ہے اور کیفِ درآغوش منظر ہے
ضیائے مہرِ عالمتاب سے عالم منور ہے

فضا میں تازگی ہے اک گلِ نورُستہ کی صورت
طراوت ہے کسی نوساختہ گلدستہ کی صورت

مشامِ زندگی کیف آشنائے موجِ نکہت ہے
جہانِ رنگ و بُو پر عالمِ گلزارِ جنت ہے

ہوائیں جوش میں سرمستیوں کے گیت گاتی ہیں
چمن کے نونہالوں کو مئے رنگیں پلاتی ہیں

گلانِ بادہ پیما پر ہے کیفِ بیخودی طاری
مئے غفلت سے ہے مستی بکفِ غنچوں کی بیداری

خیابانِ سحر میں وہ گلِ روشن بھی خنداں ہے
صبا کو جس کا دامن چومنے کا دِل میں ارماں ہے

گلِ رنگیں کہ ہے زیبائشِ گہوارۂ طفلی
دِل وجاں سے چمن کرتا ہے جس کی نازبرداری

جہاں کے شور و شر سے بے خبر سرمست و بے پروا
عجب غفلت میں ہے یہ خود فراموشی کا متوالا

ابھی تک طفل ہے اور زینتِ آغوشِ مادر ہے
برنگِ نقشِ خاتم دامنِ ہستی کا زیور ہے

بہت ناز و نعم سے پل رہا ہے قوم کا ہادی
نہیں افکار میں اُس کے ابھی فرطِ غم و شادی

یونہی آسودگی میں اُس کے روز و شب گزرتے ہیں
محبت کی مدد سے دِن بدن شانے ابھرتے ہیں

بہ صد حیرت نئی دُنیا پہ فکر و غور کرتا ہے
نظر سے جیبِ دِل کو گوہرِ اسما سے بھرتا ہے

زباں کرتی ہے پیدا رفتہ رفتہ نطق کا جوہر
ادا کرتی ہے دل کا مدعا لفظوں سے تتلا کر

نکلتے ہیں شکستہ لفظ یوں لبہائے زیبا سے
مئے احمر ہو رگ رگ سے رواں جس طرح مینا سے

فدا ہو جاتی ہے اِس کوششِ گفتار پر مادر
خوشی سے نقشِ اُلفت ثبت کرتی ہے زنخداں پر

لبوں کو چومتی ہے پیار کے الفاظ کہہ کر — تھپکتی جاتی ہے ابھرے ہوئے گالوں کو رہ رہ کر

گذر جاتی ہیں یہ دلچسپیاں نطقِ پریشاں کی

تو ہوتی ہیں ہویدا اٹھکھیلیں رفتارِ لرزاں کی

وہ بچے کا زمیں پر شوق سے گھٹنوں کے بل چلنا — خوشی سے چلتے چلتے اپنے منہ پر خاک کا ملنا

پھر اٹھنے اور چلنے کی روش کا ابتدا کرنا — بجانا تالیاں ماں باپ کا آغوش وا کرنا

بزعمِ خویش اماں کا مصائب سے بچا لینا — جبیں پر خوفِ زخمِ چشم سے کاجل لگا دینا

خوشی کے ساتھ لیکن رنج کے موسم بھی آتے ہیں — پس آسودگی تشویش کے عالم بھی آتے ہیں

بھلا دیتے ہیں ماں کو مشغلے دنیائے انساں کے — بلائے جانِ صبیاں عارضے اسہال و دنداں کے

وہ اس کی شب کو بیخوابی۔ تو دن بھر رنج بیتابی — دعا ہائے سحرگاہی و سیلِ اشکِ عنابی!

دکھاتا ہے مرض توجیہ ناقص اور کامل کی — دکھاتا ہے وہی اجزا ہیں اصلِ اعلیٰ و اسفل کی

گئے طے یوں ہی سارے مرحلے اس طفلِ رحمت نے

دکھائی استواری روح اور تن کی رفاقت نے

ترقی کرتے کرتے طفلِ مکتب بن گئے گاندھی
کیا بچپن کو ترک اور دہر سے شرطِ وفا باندھی

ہوئے کم مشغلے بھی نَے سواری خاکبازی کے
گئے دن کھیلنے کے روزِ عشرت کی درازی کے

ہوئیں مسلوب بچپن کی تمام آزادیاں اُس کی
گئیں گُڑیوں سے گُڈّوں کی خیالی شادیاں اُس کی

نظر آنے لگی اب مدرسے کی چار دیواری
وہ پڑھنے کی مصیبت صبح کو مکتب کی تیاری

سحر کو جاگنا خوفِ پدر سے خوابِ نوشیں سے
جُدا ہونا بہ مشکل خواب کی دنیائے رنگیں سے

پس از وقتِ معین جانبِ مکتب رواں ہونا
نظر آئے کہیں اُستاد تو فوراً دواں ہونا

یہ بچہ رفتہ رفتہ ایک طالب علم بنتا ہے
شعور و ہوش کا دلکش لباسِ نو پہنتا ہے

مگر ہاں فطرتِ انساں دکھاتی ہے نئے نقشے
نئے پہلو عیاں ہوتے ہیں نیرنگِ طبیعت کے

تمثیل

فضا میں برشکالی بادلوں کا ایک لشکر ہے
غبار آلود گھر انگیز ابرِ تیرہ منظر ہے

فلک پر چھا گیا ہے ایک موجِ دود کی صورت — نظر آتا ہے اسود سقفِ قیر اندود کی صورت

نگاہوں کو فریبِ چرخِ نیلی فام دیتا ہے — برائے سترِ گردوں طیلساں کا کام دیتا ہے

چھپا ہے اس طرح زیرِ سحاب نیرہ و شبگوں — کوئی سمجھے ازل کے روز سے معدوم ہے گردوں

کبھی خورشید دنیا کو نظر آیا نہیں گویا — شعاعوں نے کبھی عالم کو گرمایا نہیں گویا

مگر پردہ ہٹا کر بادلوں کا نیرِ اعظم — دکھا دیتا ہے احیاناً جمالِ طور کا عالم

شعاعوں کا سنانِ برق وش اندازِ سوزن سے — نکل کر پار ہو جاتا ہی ان کے درع و جوشن سے

سمٹ کر ابر پھر اپنا گہن تیار کرتے ہیں — صفا آئینہ کو آلودۂ زنگار کرتے ہیں

یونہی اک کشمکش رہتی ہے برپا نور و ظلمت میں — ہے قائم روز و شب کا سلسلہ دنیائے فطرت میں

کبھی زک دیتی ہے تاریکیِ شب روزِ روشن کو — کبھی نورِ سحر تسخیر کر لیتا ہے دشمن کو

جلا پاتا ہے سورج اس فساد انگیز ظلمت سے — چمکتا ہے گھٹا کھلنے پہ بیش از بیش شوکت سے

یدِ بیضا کا دستِ مہر میں اعجاز ہے گویا
کسی صیقل شدہ آئینہ کا انداز ہے گویا

تشریح

مکدّر ہے غبارِ ابر سے وہ جسمِ روشن بھی
رُخِ پرنور ہے جس کا طرازِ دامنِ ہستی

اُسے تاثیرِ صحبتِ علم سے نفرت سکھاتی ہے
تساہل اور ترکِ علم کی رغبت دلاتی ہے

اُسے لذت سی ہے اُستاد کو دُشنام دینے میں
نہایت خوش ہے اِس خدمت کے سرانجام دینے میں

مدرّس کی "بلیغ" الفاظ میں تعریف کرتا ہے
فصاحت پر زبانِ شوخ کا احسان دھرتا ہے

وہی ہے پوربندر کی طرح رسم و رواج اُس کا
فضا تبدیل ہو کر بھی نہیں بدلا مزاج اُس کا

ہے دس بارہ برس کی عمر میں بھی علم سے وحشت
وہی نفرت معلّم سے وہی تعزیر کی دہشت

ہمیشہ علم کی تحصیل سے پہلو تہی کرنا
سبق پڑھنا تو جلدی ختم کرنے کی سعی کرنا

ڈراتی ہے تصور میں بھی یوں اُستاد کی صورت
کہ جیسے خوں گرفتہ شخص کو جلّاد کی صورت

سویرے مدرسہ کو بادلِ ناخواستہ جانا
تو دن ڈھلتے ہی گھر کو بھاگتے واپس چلے آنا

نہ پڑھنے کی اُسے رغبت نہ خواہش نام پانے کی
عدم کوشش دلِ آوارہ کو مرکز پہ لانے کی

ہوئے جاتے ہیں رخصت ذہن کے افکارِ بیداری
فراست حافظہ۔ جودت۔ حذاقت عقل طراری

ہُوا جاتا ہے کم ضَو قلب کا آئینۂ روشن
بنا جاتا ہے ظُلمت کا مکاں۔ انوار کا مسکن

نہیں ہے علم کے روشن ستاروں میں شمار اُس کا
نہیں قائم حریفوں میں کوئی رعب وقار اُس کا

نہیں کُچھ حیثیت حاصل اُسے اپنی جماعت میں
نہیں ممتاز اقران و مماثل سے لیاقت میں

نہ کچھ کھیلوں میں نام اُس کا نہ شہرہ قابلیت کا
کوئی پہلو نظر آتا نہیں اُس کی فضیلت کا

اُسے مرغوب ہے آفاق میں بیگانہ خو رہنا
مذاقِ صحبتِ اربابِ دنیا کا عدو رہنا

طبیعت اُس کو مثلِ طفلکاں مجبور رکھتی ہے
حجاب و شرم کی عادات کو محبوب رکھتی ہے

انہی ظلمت فشاں۔ تاریک۔ ظلمانی گھٹاؤں کے
قفس کو توڑ کر بڑھتے ہیں کچھ دستے شعاؤں کے

معلم کے محصّل محتسب علمی اداروں کے
مبصّر بن کے آئے ہیں مقامی درسگاہوں کے

مدارس میں بہت ہلچل بہت رونق کا عالم ہے
ہر اِک مکتب کی دیواروں پہ نقشِ خیر مقدم ہے

پئے تحقیق آخر ایک افسر آ پہنچتا ہے
بہ غایت احتشام و شوکت و فرّ آ دھمکتا ہے

بہ عجلت ایک لفظِ مختصر لکھنے کو دیتا ہے
اور اس سے امتحانِ صحتِ تحریر لیتا ہے

قلم شاگرد کا حسبِ توقع گامزن ہو کر
دکھا دیتا ہے اپنی خوبیِ رفتار کا منظر

دکھاتی جائے انگشتِ معلّم راہ منزل کی
مگر تدبیر بیداری ہو کیونکر مردِ غافل کی

اُٹھا کر آنکھ وہ اوروں کی املا کو نہیں تکتا
کہ گاندھی نقل کی ذلّت گوارا کر نہیں سکتا

اشارے پر مدرّس کے اُسے چلنا نہیں آتا
جماعت میں قدم کو میل کر لینا نہیں آتا

معلّم کوششِ ناکام پر جی بھر کے روتا ہے
کہ سب طلبہ میں صرف اک شخص کو پالغز ہوتا ہے

ہوئی اُستاد سے کو بعد میں اُس کی فضیحت بھی
تمسخر سے اُسے چھیڑا کئے سب ہم جماعت بھی

مگر اُس نے کبھی اپنی روش سے مُنہ نہیں موڑا

کبھی اپنی ادائے راستبازی کو نہیں چھوڑا

نہ تھا اُستاد کا کردار بھی خالی معایب سے
خطا جو آنکھ کی خاطر بہت رہتے مہیّا تھے

کیا اِک عرصہ کو تحصیلِ علم و فضل گاندھی نے
مگر دیکھی نہیں کوئی خطا طبعِ معلّم میں

کثافت ابر کی یوں چہرۂ خورشید سے ڈھل کر

چمک اُٹھتا ہے اُس کے آئینہ کا ایک ایک جوہر

یونہی ہوتے ہیں اکثر قدرتی اسباب بھی پیدا — جو اُس کے دل میں کرتے ہیں فروغِ آگہی پیدا

شراون کا افسانہ

مہابھارت کا وہ مشہور افسانہ شراون کا! — دکھاتا ہے اثر شعر و ادب کی شمعِ روشن کا

ہوا گاندھی بہت محظوظ اس دلکش حکایت سے — تخیل نے کئے پیشِ نظر حالات کے نقشے

شراون کا تلاشِ رزق میں وہ دربدر پھرنا — فقیروں کی طرح سرگشتہ و آشفتہ سر پھرنا

سدا پیشِ نظر آسائش و راحت اب و اُم کی — وہ پیہم فکرِ فردا کے سبب راتوں کو بے چینی

انہی کے واسطے محنت سے اپنی نقد و زر لانا — بشکلِ آب و ناں اپنی مشقت کا ثمر لانا

کبھی افلاس کے باعث انہی کے واسطے جا کر — کسی سے مانگ کر لانا طعام و جامہ و بستر

اُٹھانا آپ تکلیفیں اُنہیں آرام پہنچانا! — لٹانا ان کو فرشِ گل پہ خود کانٹوں پہ سو جانا

نہ رکھنا اُن کے پاؤں کو طرازِ کفش سے عاری — مگر خود پا برہنہ خاک پر چلنا بدشواری

کہے کو ماننا باپ اور ماں کے رام کی صورت
نہ کرنا کوتہی خدمت میں ہر خود کام کی صورت

بٹھا کر ایک بہنگی میں اُنہیں آخر بصد مشکل
ہزاروں کوس طے کر کے پہنچنا بر سرِ منزل

کہ تا ہر دوار کے تیرتھ سے خوشدل ہوں پدر مادر
پہنچ جائے سرِ اُفتادگاں اوجِ ثریا پر

وہ اُس کار استنہ بہر روح فرسا مشکلیں سہتا
مگر منہ سے نہ اِس تکلیف پر بھولے سے اُف کہتا

بہت چھالے پڑے پاؤں میں گو طولِ مسافت سے
مگر نفرت رہی ہونٹوں کو اظہارِ شکایت سے

اثر دکھلا گئی آخر مسلسل سخت کوشی بھی
کہ دب کر رہ گیا زورِ اجل سے جوہرِ ہستی

دیارِ جاوداں کو چل بسا دُکھ جھیلنے والا
ہوا نذرِ فنا وہ بادۂ خدمت کا متوالا

پدر نے اُس کی مرگِ ناگہاں پر آہ و زاری کی
ہوئی نوحوں میں ظاہر حسرتِ دل اشکباری کی

نوحہ

مدت ہوئی کھوئے ہوئے قسمت کی ضیا کو
اب کھو گیا آنکھوں سے مرا نورِ نظر بھی

تھی ایک سپر تیرِ حوادث کے مقابل
صیاد نے قدرت کے ہٹا دی وہ سپر بھی

کیا قہر ہے۔ کیا ظلم ہے اے چرخِ ستمگار چھینی تھی نظر چھین لیا لختِ جگر بھی

اِس مردِ جواں مرگ کے مرجانے پہ افسوس

افسوس! صد افسوس!!

ہیہات سُوئے عالمِ جاوید سدھارا وُہ طِفل کہ تھا میری ضعیفی کا سہارا

اِک داغ سیہ چھوڑ گیا میرے جگر پر وُہ جانِ تماشا۔ مرا دلدار دلارا؟

جی بھر کے نہ دیکھا تھا گلستانِ جہاں کو تیغِ ملک الموت ہُوئی برقِ نظارا

اے جانِ پدر تیرے قضا پانے پہ افسوس

افسوس! صد افسوس!!

آئے بھی یہاں اور چلے بھی گئے فی الفور مرغوب نہ تھا تم کو طرب خانۂ ہستی؟

کیا عالمِ بالا میں کوئی اور سماں تھا بھائی نہ تمہیں عالمِ ایجاد کی پستی؟

آفاق کے معمورۂ پُر کیف سے بڑھ کر محبوب ہوئی کیوں تمہیں ارواح کی بستی؟

افسانۂ جنّت کا یقیں لانے پہ افسوس

افسوس! صد افسوس!!

پیارے تری فرقت میں مرا قلب حزیں ہے، جز مرگ علاج غم جانکاہ نہیں ہے
دل پر غم فرقت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے جاں کلفت و اندوہ فراواں کے رہیں ہے
وابستہ زمیں سے ہے مرا پیکر خاکی؛ اور روح کا جولاں بہ سر عرش بریں ہے
یہ دیکھ کے بھی شکل نہ دکھلانے پہ افسوس

افسوس! صد افسوس!!

رہ رہ کے رلاتی ہے مجھے یاد تمہاری آفاق میں تھے ایک ہی تم طفل خوش اطوار
ماں باپ کی خدمت میں کیا جان کو قرباں اعراض نہ تھا فرض سے اولاد کے زنہار
جوں نقش کف پا ہوئے پامال رہ عشق از بسکہ ننھے تم جسم اب و ام سے نہ بار
یہ بار اٹھانا ۔ بہ تعب نشانے پہ افسوس

افسوس! صد افسوس!!

کیا بات تھی جس میں کہ وہ ہشیار نہیں تھا، ماں باپ کی شفقت کا سزاوار نہیں تھا

وہ کون سی ساعت تھی کہ یہ صاحبِ ہمت — جانبازی و ایثار پہ تیار نہیں تھا
کیوں موجِ فنا اس کو بہائے گئی بے وقت — وہ نو گُلِ خنداں تھا کوئی خار نہیں تھا

کم عرصہ زمانے کی ہوا کھانے پہ افسوس

افسوس ! صد افسوس !!

وہ کشت کہ دہقان کا تھی کعبۂ آمال — خوراکِ تفِ برقِ تپاں ہو گئی صد حیف
وہ موجِ نفس جس سے دُعا ہوتی تھی بیدار — اِک آہ بہ رنگِ دُخاں ہو گئی صد حیف
وہ رُوح کہ تھی غالبِ خاکی میں سخن گوش — موہوم سی اِک رُوحِ رواں ہو گئی صد حیف

اِس رُوح کے دُنیا سے چلے جانے پہ افسوس

افسوس ! صد افسوس !!

پسر کی موت سے ماں کا دِل خوں ہو گیا یکسر — گِرا اِک صاعقہ ناگاہ اُس کے خرمنِ جاں پر
غمِ فرزند میں دیوانہ ہو کر سینہ کوبی کی — تڑپ کر بال نوچے مثلِ بسمل خاک پر لوٹی
نشانِ غم عیاں چہرے سے لب پر نالہ و افغاں — زباں پر بینِ دردانگیز پیہم شکوۂ حرماں

وُہ روئی بلبلائی آہ کھینچی شدتِ غم میں
وہ ہنٹر پیٹ کر فریاد کی بیٹے کے ماتم میں

نوحہ

معلوم نہیں مجھ کو مرا حال کہ کیا ہے
اک کوہِ الم سر پہ مرے ٹوٹ پڑا ہے

دل ٹوٹ گیا ہے مرا جی چھوٹ رہا ہے
بیٹا تری فرقت میں مرا حال بُرا ہے

دل پر جو گزرتی ہے سُنائی نہیں جاتی!
یہ چوٹ وُہ کھائی ہے کہ کھائی نہیں جاتی

صد حیف! مرا نورِ نظر موت نے چھینا
دشوار کیا میرے لئے دہر میں جینا!

چلنا ہے نہ پھرنا ہے نہ کھانا ہے نہ پینا
شق ہو گیا اندوہ و قلق سے مرا سینہ

سرگشتہ و دل خستہ و بیچارہ و محزوں
یارب! تری دُنیا میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں؟

آثارِ قیامت ہیں غمِ مرگِ پسر میں
اک ٹیس سی ہے رہ رہ کے جو اُٹھتی ہے جگر میں

دل پاش ہے اندھیر سا برپا ہے نظر میں
تخمیر ہے اسبابِ جنوں کی مرے سر میں

کیوں پیٹ کے سر کو نہ میں صحرا کو نکل جاؤں ؟

کیوں شعلۂ جوالہ میں آتش کے نہ جل جاؤں ؟

ہائے میرا پیارا - مرا بیٹا - مرا دلبند　　اکلوتا جگر گوشہ - مری جاں - مرا فرزند

ہوتی تھی جسے دیکھ کے میں خرم و خورسند　　خوبی میں مہ و مہر فلک سے بھی تھا دہ چند

یکدم جو اجل صورت خواب آ گئی اس کو

معلوم نہیں کس کی نظر کھا گئی اس کو

اس طرح سوئے ملک عدم جانے کی ٹھانی　　میں روک رہی اس کو مری ایک نہ مانی

افسوس کہ کچھ قدر محبت کی نہ جانی　　چھوڑا ! مجھے یہ مشغلۂ مرثیہ خوانی

اور آپ ہوا گلشن آفاق سے رخصت

ہائے مری قسمت ! مرا بیٹا !! مری قسمت !!!

اے وائے مری سمت سے منہ موڑ گئے تم　　اک چوٹ سے ماں باپ کا دل پھوڑ گئے تم

وا دردا مرے جائے مرا دل توڑ گئے تم　　اماں کو سسکتے ہوئے کیوں چھوڑ گئے تم

اس طرح کوئی قطعِ محبت نہیں کرتا

مرنے میں کوئی اس قدر عجلت نہیں کرتا

اُف! دل سے مرے ایک دھواں اُٹھتا ہے پیارے — جان آئی لبوں پر قلقِ ہجر کے مارے

مفقود ہوئے میری اُمیدوں کے ستارے — تابندہ ستارے مری پیری کے سہارے

بجھتی نہیں وہ آگ لگی ہے مرے گھر میں

پیوست ہوا ناوکِ دلدوز جگر میں

آہ! میرے لئے پیکِ اجل کیوں نہیں آتا؟ — کیوں ضیق سے سینے میں نفس رک نہیں جاتا؟

کیوں طائرِ جاں عرش کو اُڑنے نہیں پاتا؟ — کیوں میری تمنّا کو فلک بر نہیں لاتا؟

تا بچھڑے ہوئے لال کو اماں سے ملاوے

لب تشنۂ حسرت کو مے دید پلادے

ناکام رہی میں تو کہیں ڈوب مروں گی — اس دارِ محن میں نہ رہونگی۔ نہ رہوں گی

یہ فرقتِ فرزند کا صدمہ نہ سہوں گی — مرنے کے لئے جو بھی نہ کرنا ہو کروں گی

ہے شاق بہت دل پہ مرنے دردِ جدائی

فریاد رسِ غمِ زدگاں ۔ تیری دُہائی

ہاں یہ ہے تری نعش مگر نعش کہاں ہے ، بے حس نہیں یہ اس میں ابھی جوہرِ جاں ہے

ہلتے ہیں ابھی ہونٹ ابھی سانس رواں ہے ، بے شُبہ ترے چہرے پہ ہنسنے کا نشاں ہے

یہ میرے ستانے کے لئے بھیس بھرا ہے

اب بول اُٹھو ۔ اتنی بھی کیا چھیڑ روا ہے ؟

افسوس یہ اعجاز عیاں ہو نہیں سکتا ، بے جاں ہے بدن ۔ حاملِ جاں ہو نہیں سکتا

ہونٹوں میں دمِ گرم رواں ہو نہیں سکتا ، یہ پھول کبھی خندہ فشاں ہو نہیں سکتا

اس پیکرِ خوابیدہ سے گفتار عبث ہے

بے جانوں سے گویائی پہ اصرار عبث ہے

کیا آگ میں جل جائے گا یہ پیکرِ رعنا ، چھپ جائے گی شعلوں میں تری صورتِ زیبا ؟

ہو گی ترے پھولوں سے ہم آغوشی دریا ؟ جاں گم ہوئی کیا جسم بھی ہو جائے گا عنقا ؟

کب جلتی ہوئی نعش کو میں دیکھ سکوں گی

شعلوں میں چتا کے ترے ہم کود پڑوں گی

اللہ! مرے بیٹے کو لئے جاتی ہے دُنیا — سامان جلانے کا کئے جاتی ہے دُنیا

مرتی نہیں کم بخت جئے جاتی ہے دُنیا — سینے کو مرے داغ دئے جاتی ہے دُنیا

اِس نعش کو زنہار جلانے نہیں دُوں گی

اِس پھول کو مٹّی میں ملانے نہیں دُوں گی

وہ رُوح فضاؤں میں تری گرمِ سفر ہے — ہے رُو بقفا میری طرف تیری نظر ہے

دیوتا کو مگر لے کے تجھے قصدِ قمر ہے! — اب میری فغاں کے لئے ہنگام اثر ہے

بڑھ جاؤں گی تیرے لئے ساوتری کی صورت

دے گا نہ فرشتہ مجھے انعامِ محبت؛

لو آئی تمہارے لئے میں اوجِ فضا میں — جاں کتنی سبک ہو گئی یک لخت خلا میں!

یہ روح تری آئی مرے دستِ دعا میں؛ — اب لے کے اُڑتی ہوں تجھے جلد ہوا میں

تو خاک نظر آ گئی۔ اب اپنا جہاں ہے

افسوس! مگر روحِ شراون تو کہاں ہے؟

ہو جائے گا سودا مجھے اتنا نہ ستاؤ   آگے ہی سڑی ہوں مجھے پاگل نہ بناؤ

تسکین و تشفی کی کوئی راہ بتاؤ   اے جاں۔ مرے آلام و محن کو نہ بڑھاؤ

سر پھوڑ کے مر جاؤں گی پتھر سے کسی دن؟

رکھ دوں گی گلا کاٹ کے خنجر سے کسی دن

ذراتِ جہاں۔ انجمِ تابندۂ گردوں   مرغانِ ہوا۔ ماہیٔ صد گونۂ جیحوں

خار و خسکِ بادیہ۔ ریگِ کفِ ہامون   گل۔ سبزہ۔ صبا۔ بلبلِ دل خستۂ محزوں

للہ بتاؤ کہ مرا لال کہاں ہے!

نورِ نظرِ مادرِ بدحال کہاں ہے!

جی کرتا ہے اِن آنکھوں سے طوفاں اٹھائیں   تسکیں کے لئے گریہ کا سیلاب بہائیں

اشکوں سے دلِ غمزدہ کا حال سنائیں   زخمِ جگرِ خستہ زمانے کو دکھائیں

حسرت! کہ بڑی دیر سے بے نور ہیں آنکھیں

کیا روؤں کہ اب رونے سے معذور ہیں آنکھیں

اے کاش! بصارت سے یہ معصوم نہ ہوتیں — اِس طرح تری دید سے محروم نہ ہوتیں

بدبخت ہیں لیکن کبھی مظلوم نہ ہوتیں! — مجبورِ خیالِ رُخِ موہوم نہ ہوتیں!

ہیں پیشِ تصوّر وہی دیرینہ خط و خال؛

جس وقت ترا سِن تھا کوئی آٹھ کہ دس سال

یاد آتی ہیں پھر مجھ کو وہ بھولی ہوئی باتیں — وہ عیش کے دِن اور وہ آرام کی راتیں

ابّا کی کمائی۔ تری طفلی کی براتیں — معلوم نہ تھیں چرخِ کج اندیش کی گھاتیں

یہ دیر کے گذرے ہوئے حالاتِ فسوں زا

کھویا ہوا اِک خوابِ دلآویز ہیں گویا

یارب! وہ گذشتہ سحر و شام کہاں ہیں؟ — اب خندۂ خورشید کے ایّام کہاں ہیں؟

صد رنگ گُلِ راحت و آرام کہاں ہیں؟ — قدرت کے وہ شربت سے بھرے جام کہاں ہیں؟

اب زندگی گرویدۂ آلام ہے اپنی
خواہش فقط اب خواہشِ انجام ہے اپنی"

پڑھا گاندھی نے اِن نوحوں کو اشک آنکھوں میں بھر آئے
وہ رویا، گرم آنسو دیر تک آنکھوں سے ٹپکائے!

جو حسرت رہ گئی تھی باپ ماں کے دل میں رونے کی
وہ اب گاندھی کی آنکھوں سے بشدت پھوٹ کر نکلی

عیاں ہونے لگے اُس کی نگاہوں پر وہ نظارے
وہ افسانہ میں ہیں کھلائے ہوئے حالات کے نقشے

مسلسل گونج گونج دل میں فریاد و الم کی
فسانے کے کوائف کی خیالوں میں درازی

تخیل میں وہ دُہرانا سبھی گذری ہوئی باتیں
تصور ہی میں کرنا اُن کی روحوں سے ملاقاتیں

یہ کہنا باپ ماں کی شکل اور آواز کیسی تھی
کہاں رہتے تھے وہ، کیا وضع و دستور تھی اُن کی

وہ دورانِ سفر میں کس جگہ پہنچے، کہاں ٹھہرے
کہیں نقشِ قدم موجود ہیں کیا آج بھی اُن کے؟

کبھی ہلکے سُروں میں انتہائے سوز و رقت سے
پڑھے جانا نہایت خونچکاں اشعار نوحوں کے

یہ کہنا آہ! اِس بیٹے کی شانِ راست کرداری
وہ مرگِ پُر ملال اُس کی، وہ ماں کی گریہ زاری

ہوا ماں باپ کو کتنا قلق اُس کے گذرنے کا
رہے زندہ مگر غم کھا گیا بیٹے کے مرنے کا

گراں ہوتی نہیں موت اس قدر خود مرنیوالوں پر

اگر موت آتی ہے تو اُن کا ماتم کرنے والوں پر

الٰہی! یہ بھی کیا حیرت فزا دستورِ قدرت ہے   کہ وہ دُکھ پائیں جن سے محفلِ ہستی کی زینت ہے

وہ رنگیں پھول جن کو دیکھتے آنکھیں نہیں تھکتیں   ستم ہے اُن کو توڑے سب سے پہلے شاخ سے گلچیں

قمر بن کر چمکنا چرخ پر جن کا مقدّر ہو   زمانہ چاہتا ہے داغِ دل اُن کو میسّر ہو

الٰہی! تلخ ہے کتنی بشر کی زندگانی بھی

کبھی آفاق میں آتا ہے دورِ شادمانی بھی!

الٰہی افکار میں گاندھی کو اک تصویر ہاتھ آئی   پسند آیا بہت اُس کو کمالِ نقش آرائی

یہ وہ تصویر تھی جس میں تُسراون ہی کا افسانہ   ہوا تھا جلوہ گر بہنگی کا زیور زینتِ شانہ

اُطاقِ خواب میں گاندھی نے یہ تصویر لٹکائی   ہوا رُوحوں کو لازم شکرِ اعجازِ مسیحائی

اس افسانہ کو پڑھنا بن گیا معمول گاندھی کا   بنا افسانۂ منظوم گویا نسخۂ گیتا

وہ بھیروں راگ میں اُس کے غم انگیں شعر گاتا تھا   اور اس کے ساتھ اُس کی دُھن پہ سارنگی بجاتا تھا

کتابوں سے اُسے نفرت رہی لیکن یہ افسانہ
بنا اُس کیلئے مصداقِ رندِ مست و پیمانہ

تھیٹر[1]

اِنہی ایام میں قسمت اُسے لائی تھیٹر میں
مِلا سامانِ فرحت اُس کی دُنیائے منوّر میں

وہ دِلکش سین گہرے شوخ رنگ اور نور کا عالم
بھڑکتے وہ دِلکش پوشاکوں کی شان انسانوں کا دم خم

یہ سب ایکٹنگ تمثیل کی گاندھی نے بھی دیکھیں
چمک نے رُخ کی سب کیفیتیں دِل کی ہویدا کیں

ہوئیں آنکھیں کُشادہ صورتِ تصویر حیرت سے
کشش یہ جذب و توجہ آشکارا تھے مسرت سے

ہوا ظاہر کہ وہ تمثیل پر مفتون و شیدا ہے
یہ شئے بھی اُس کی خاطر خوشتر از شیرِ مصفا ہے

ہریش چندر تھا وہ ناٹک جو گاندھی کو پسند آیا
شرون کے فسانے کی طرح دل سے اُسے بھایا

تصوّر میں بہت اِس کھیل کے بھی سین دُہرائے
کئی منظر خیالوں میں پلٹ کر بار بار آئے

---

[1] تھیٹر

تہیہ کر لیا گاندھی نے اعلائے صداقت کا
وُہ پروانہ بنا اس دن سے قندیلِ صداقت کا

کہا میں بھی ہرشچندر کی صورت حق کا شیدا ہوں
اگر حق تلخ ہے تو میں بھی اس مے ہی کا رسیا ہوں

زمیں محور سے ہٹ جائے فلک گردش سے باز آئے
جبل کی استقامت بیسرو حرکت میں بدل جائے

بلا سے چھوڑ دے سارا جہاں دیرینہ آئیں کو
نہ سمجھے قابلِ تقلید رسم و راہِ پیشیں کو

مگر میں ہٹ نہیں سکتا کبھی راہِ حقیقت سے
مرا پاؤں نکل سکتا نہیں حدِ طریقت سے

یہ کہ کر انتہائے عجز سے اُس نے دُعا مانگی
برائے صدق واستقلال۔ توفیقِ خدا مانگی

دُعا

حقیقت کی طلب یا رب! مرا ارمان ہو جائے
مرا ارمان ہو جائے۔ مرا ایمان ہو جائے!

اگر شمعِ صداقت کی ضیا دے حکمِ قربانی
تو پروانے کی صورت اُڑ کے دل قربان ہو جائے

یہی خواہش مرے دل کی یہی میری تمنا ہے
جمالِ حق مری خاکِ بدن کی جان ہو جائے

نہیں پروا رہِ حق میں اگر اندیشۂ جاں ہے
بشر بازوئے ہمت سے بلا گرداں ہو جائے

مذاہب کے وساوس کا نہ ہو گرویدہ دل میرا
علی الاعلان حق کا بندۂ فرماں ہو جائے

نہ ہندو ہوں۔ نہ مسلم ہوں بہائی ہوں نہ نصرانی
حقیقت کی پرستاری مرا ایماں ہو جائے

بجھے ہرگز نہ سینے میں یہ چنگاری صداقت کی
اگرچہ جسم خاکستر صفت بے جاں ہو جائے

تہِ دل سے دعا کرتا ہے یہ شام و سحر گاندھی
حقیقت کی طلب یا رب! مرا ایماں ہو جائے

دُوسرا باب

ازدواج

چچا اور باپ کی خواہش تھی یہ ایّامِ پیری میں
کہ اک جشنِ مسرت دیکھ لیں عمرِ اخیری میں

یہ طے پایا کہ گاندھی اُس کا بھائی ابنِ عم تینوں
اکٹھے ایک ہی دِن حلقۂ شادی میں داخل ہوں

گذر کر چند دن یومِ معیّن آگیا۔ آخر!
مسرت کا پیامی روزِ روشن آگیا۔ آخر!

ہوئی تیرہ برس کی عمر میں شادی کی تیاری
وُہ وقت آیا کہ ہو جائیں بہم چند اور نر ناری

وُہ ہر سُو چہل پہل اور شور و غُل گانے بجانے کا!
وُہ اک مُووی[1] کا منظر۔ عالمِ رنگیں بسانے کا!

[1] سنیما (Movie)

وہ فرشِ سوزنی جھاڑ اور فانوسوں کا نظارا ۔ وہ گھر کی زیب و زینت سازو سامانِ نظر آرا

وہ اک سر سبز دروازہ برائے دخلِ مہماناں ۔ ہرے پتوں کا اک سہرا درِ خانہ پہ آویزاں

مکلف دعوتیں طرفین کی ایک ایک سے بڑھکر ۔ وہ کوشش صرفِ زر کی دوسری جانب سے بڑھ چڑھکر

لباسوں کا تلون اور رنگِ رُخ کی گلپاشی ۔ کسی نقاش نے کردی تھی گویا اُن پہ نقاشی

وہ مہمانوں کا استقبال گہما گہمی اور غوغا ۔ صدائے چنگ و دف ہنگامہ لوگوں کی صدا و لکا

حرم میں شادمانی نغمہ‌ی دیوان خانے میں ۔ وہ رونق کا سماں لوگوں کے ہر سو آنے جانے میں

کئی دن رتجگا اور عورتوں کا بے سُرا گانا ۔ محلہ بھر کے لطفِ خواب میں نقص و خلل آنا

براتوں میں ہجومِ مرد و زن جھنکار باجوں کی ۔ وہ آتشبازیاں وہ شہر میں تشہیر واجوں کی

وہ پہلی بار نوشہ کی کسی گھوڑے پہ اسواری ۔ وہ سہرے کی چمک دستارِ ابریشم کی زرکاری

لگا کر اپنے ماتھے پر تلک آنا برہمن کا ۔ عروسی تخت پر آسن جمانا دولہا دولہن کا

قسم کھانا وفا و مہر کی پھر کچھ قدم چل کر ۔ وہ ان کے عقد کا تکمیل پانا اگلِ قنفر[۱] پر

[۱] غالباً یہ وہی چیز ہے جس کو ہم عام طور پر چوری کہتے ہیں ۔:۔

ذرا سا مسکرا کر جھینپ کر منہ میں شکر ریزی — اور اس کے بعد باہم اختلاط و اُلفت انگیزی

بہت کچھ ابتدائے عقد میں دونوں کا گھبرانا — نہ کھُل کر بات کر سکنا۔ نہ رشتہ کا سمجھ آنا

بہم مانوس ہو جانا مگر کچھ سال جانے پر — بہت حیران ہونا اپنی ہستی کے فسانے پر

اِدھر ہے شوہر و زن کا یہ حیرت خیز نظّارا — اُدھر ارواحِ مخفی ہیں ہوا میں یوں سخن آرا

ہمدردی[۱] وقت اور پیشنگوئی کی روحیں

ہمدردی کی رُوح:۔

میری آنکھیں ہیں تماشائی نیرنگِ جہاں — روز و شب دیکھتی ہیں محفلِ ابنائے زماں

آج یہ غلغلۂ جشنِ طرب کیسا ہے — وقفِ حیرت ہوں کہ یہ شور و شغب کیسا ہے

---

[۱] اگر ہم خود اِن واقعات پر تبصرہ کرتے تو نہایت بُرا معلوم ہوتا۔ ایک آرٹسٹ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی نظم میں علانیہ اپنے خیالات کا اظہار نہ کرے اس فنی ضرورت کی وجہ سے ہم نے تین رُوحوں کو نظم کے پلاٹ میں داخل کیا ہے اور اسی طرح ہیرو کی باطنی، تاریک و روشن زندگی کو بیان کرنے کے لئے دو اَور ہستیاں رآم اور راون بھی شامل کی ہیں۔ جو نیکی اور بدی کے فرشتوں کی نمایندہ ہیں۔ انسانی روح کو سیتا قرار دیا گیا ہے جس کے لئے ان دونوں کے مابین کشمکش برپا رہتی ہے:۔

وقت کی روح :—

جشنِ طوئے پسراں ہے سببِ جوشِ نشاط — نقشہائے نظر آرا سے مزیّن ہے بساط

حادثہ راہ میں گذرا ہے جو ہنگامِ سفر! — کثرتِ زخم سے ہے خستہ و بے حال پدر

پھر بھی وہ بیاہ میں شامل ہے کہ مجبور ہے وہ — ملتوی کرنے سے تقریب کے معذور ہے وہ

برہمن نے جو کہا اس میں مثالِ تقدیر — غیر ممکن ہے کہ ہو جہدِ بشر سے تغییر

دیکھو اطفال کو اس بات کی پروا ہی نہیں — باپ کے رنج و مصیبت سے شناسا ہی نہیں

بیاہ ہے ان کیلئے لہو و لعب کا ساماں — ہیں اسی عالمِ راحت میں خوشی سے خنداں

اصلیت سے انہیں اب کوئی سروکار نہیں — سب ہیں مستِ مئے غفلت کوئی ہشیار نہیں

ہمدردی کی روح :—

خام کلیاں جو ابھی عقد کے قابل ہی نہیں — گلِ رنگیں کی طرح کیف کی حامل ہی نہیں

باغباں ہار بناتے ہیں انہیں کلیوں سے — آگ لیتے ہیں شقائق کے خنک شعلوں سے

آہ! یہ طفل نہیں جن کو ابھی کوئی شعور! — غفلت و بیخودی عہدِ صبا میں محصور

بیاہ ان کیلئے یوں طوقِ گلو ہو جائے | روحِ اوّل ہی سے محرومِ نمو ہو جائے

اِن کے انجام کی کاوش مجھے تڑپاتی ہے | اشکِ خوں دیدۂ نمناک سے رُلواتی ہے

ابھی ناطاقت و ناداں ہیں معصوم ہیں یہ | خرد و ہوش کی تائید سے محروم ہیں یہ

بوجھ دنیا کا سہاریں تو سہاریں کیوں کر | سر سے اس بارِ مصیبت کو اُتاریں کیوں کر

اے کہ تجھ پر نہیں مستورِ جہاں کا احوال

کیوں نہیں عاقبتِ کار کا دُنیا کو خیال؟

وقت کی رُوح:

یہ جہاں ہے بستۂ زنجیرِ آئینِ کہن | جادہ پیما ہیں رہِ اسلاف پر سب مرد و زن

رسم و عاداتِ سلف کے بندۂ بے دام ہیں | بے شعوری سے پرستارِ بُتانِ خام ہیں!

اک غلط احساس کے باعث رہینِ گمرہی | باپ ماں کو خواہشِ تزویج ہے اولاد کی

یہ جو اطفالی بیاہوں شادیوں کا زور ہے | زندگی کے آخری جشنِ طرب کا شور ہے

تاکہ خود موجِ مےِ عشرت سے لذت گیر ہوں | غم نہیں بچے شکارِ موجۂ تشویر ہوں!

اپنے اخراجاتِ شادی کو گھٹانے کے لئے ‏ ‏ اور اموال و خزائن کو بچانے کے لئے

تین بچوں کا اکٹھا بیاہ کا سامان ہے

غرق کرنے کیلئے تینوں کے اک طوفان ہے

ہمدردی کی رُوح:

آہ! یہ جور و ستم اپنی مسرت کے لئے ‏ ‏ ننھے بچوں پر عذاب اپنی سہولت کے لئے

طفل ہیں ان پر کھلے کیا بیاہ کا عیب و صواب ‏ ‏ ان کی دُنیا کیا ہے اِک دنیائے خورد و نوش و خواب

بیویاں کیا ہیں کھلونے دل لگی کے واسطے ‏ ‏ چند ہمسن کھیل کود اور دوستی کے واسطے

غفلتِ طفلی میں یہ بے فکر ہیں آزاد ہیں ‏ ‏ ان کی معصومی پہ قرباں کس قدر دلشاد ہیں

کھیلنا دن بھر خوشی کے ساتھ ان کا کام ہے ‏ ‏ ابتدا کی فکر ہے نے کاوشِ انجام ہے

مست ہیں خوابوں کی دُنیائے حسیں میں مست ہیں ‏ ‏ سر بسر بیگانۂ احساسِ بُود و ہست ہیں

نوجوانی دُور ہے اب غفلتوں کا دَور ہے ‏ ‏ ان کی خاطر یہ زمیں یہ آسماں ہی اَور ہے

ان کو کیا معلوم ہے عہدِ وفاداری ہے کیا ‏ ‏ بیاہ کے طوق و سلاسل کی گرانباری ہے کیا

خوشنما پوشاک گھوڑوں کی سواری نائے و نوش — چار دن کیواسطے ہنگامۂ جوش و خروش

بیاہ اِن کے واسطے بازیچۂ اطفال ہے — اِس سے غافل ہیں کہ ساری عمر کا جنجال ہے

کیا خبر ہے نوجواں ہو کر اگر کاہل ہوں یہ — ہوش سے ناآشنا ۔ ظالم ہوں یا جاہل ہوں یہ

کون کہہ سکتا ہے یہ نااہل و بے مقدور ہوں — عرصۂ ہستی میں جدّ و جہد سے معذور ہوں

دیکھنا ان بے سمجھ بچوں کے پیارے پیارے کھیل — ان کا ہنسنا کھیلنا لڑنا جھگڑنا یا میل میل

ڈالنا رُک رُک کے شیرینی دہن میں جھینپ کر — ہائے یہ طفلی کی باتیں! اُف یہ عشقِ بے خبر!

میری آنکھیں ہوتی ہیں نمناک اس نظّارہ سے — اِک صدائے درد اُٹھتی ہے دلِ صد پارہ سے!

ننھے بچے اِن کو کیا معلوم ہے ماں باپ نے — اِن کو نادانی سے جھونکا کس اندھیرے غار میں

اہلِ دُنیا کہتے ہیں ہنگامۂ شادی ہے یہ — کاش وہ جانیں کہ اک طوفانِ بربادی ہے یہ

صحت و تاب و تواں کیا ۔ خوبی اخلاق کیا — خون ہے اس شادی بیوقت سے ہر بات کا

سارے کم سن ہیں معمّر ناخدا کوئی نہیں — کشتیِ طوفاں زدہ کا آسرا کوئی نہیں

خوف ہے مجھ کو یہ بچے غرقۂ دریا نہ ہوں — لقمۂ کامِ نہنگانِ شکم پیرا نہ ہوں

اے پروردگار بشر رُدو حو۔ اُٹھو۔ دوڑو۔ بڑھو

ننھے بچوں کو بچاؤ۔ تھام لو۔ دوڑو۔ بڑھو

پیشینگوئی کی رُوح:۔

کشتی ڈُوبے گی منجدھارے کشتی ڈوبے گی منجدھارے

کھینے والے ہیں انجان

ہے کچھ تاب نہ کچھ سامان

گم ہیں ہوش اوسان

اب ڈُوبی کہ ڈُوبی ناؤ

ٹوٹ پڑا طوفان

قہر ہے موج تند کی مستی

کیا ہے اِک تنکے کی ہستی؛

کشتی ڈُوبے گی منجدھارے کشتی ڈُوبے گی منجدھارے

ہمدردی کی رُوح:—

دوڑو۔ ڈوب رہی ہے کشتی   دوڑو۔ ڈوب رہی ہے کشتی

پہنچے قدرت سے امداد

سخت ہے کشتی پر اُفتاد

ہو نہ کہیں برباد

غرق نہ ہوں یہ ننھے بچے

بحر سے ہوں آزاد

یہ مَن موہنی ننھی جانیں

پیاری پیاری ننھی جانیں

دوڑو۔ ڈوب رہی ہے کشتی   دوڑو۔ ڈوب رہی ہے کشتی

پیشینگوئی کی رُوح:—

اِن بچوں کو کون بچائے   اِن بچوں کو کون بچائے

کُود پڑے ہیں بحرِ فنا میں

ایک قیامت سی ہے فضا میں

ہیں جنّات ہوا میں

ان کو کون مدد پہنچائے

اِس طُوفانِ بلا میں

قدر و قضا کب باز رہیں گے

تینوں کو برباد کریں گے

اِن بچّوں کو کون بچائے   اِن بچّوں کو کون بچائے

ہمدردی کی رُوح :-

پہنچی قدرت سے امداد   پہنچی قدرت سے امداد

دیوتاؤں نے ہاتھ پھیلائے

نُور سا بن کر بچّہ پر چھائے

آ پہنچے ہمسائے

خالق کی رحمت کے فرشتے

لُطف و کرم کے سائے

دُور اب راہِ نجات نہیں ہے

خطرے کی کچھ بات نہیں ہے

پہنچی قدرت سے امداد پہنچی قدرت سے امداد

وقت کی رُوح :-

یہ بیاہ اِک دام ہے ابلیس کا اطفال کی خاطر فریبِ خلق کا آلہ ہے پیرِ زال کی خاطر

یہ شادی کیا ہے اک تحریص پیش از وقت عشرت کی دِکھانا رُوحِ انساں کو بھیانک راہ ظُلمت کی

ہے موقع مل گیا شیطاں کو گاندھی کے ستانے کا بہ انواعِ حیل دامِ معاصی میں پھنسانے کا

اگرچہ اُس کو ہوتا تائیدِ کامل حق سی کاوش میں پہ اُس کو مبتلا رکھے گا رنجِ آزمایش میں

ہمدردی کی رُوح :-

مگر کیوں چھا گئی یکدم زمیں پر موجِ خاموشی
ہوئی کیوں بند گلشن میں پرندوں کی نوا گوشی

پر افشاں ہو کے پھیلیں جس طرح بادل فضاؤں میں
ہے ساری ایک پُر اسرار خاموشی ہواؤں میں

ستارے دم بخود ہو کر زمیں کی سمت تکتے ہیں
نہ آنکھیں بند کرتے ہیں نہ آنکھیں کھول سکتے ہیں

یکایک ہو گئی خاموش کیوں آفاق کی ہر شے
صدائے خواب کی مانند ہر آواز مبہم ہے

زمیں سہمی ہوئی ہے اور نباتی سبز پوشوں کی
عبا میں سنسناہٹ ہے ہوا کے سرد جھونکوں کی

طلسمی سرسراہٹ جس سے انسانوں کو خفقان ہو
دلِ ترسیدہ مثلِ برگِ خشکِ نخل لرزاں ہو

کسی شے سے ہوا میں زندگی معلوم ہوتی ہے
فضا بہکی ہوئی مبہوت سی معلوم ہوتی ہے

وقت کی رُوح:

وہ دیکھو رُوحِ انورِ رام کی دُنیا میں آتی ہے
زمانے کو جمالِ طُور کا عالم دِکھاتی ہے

وہ جید پہلوان راون بھی پیدا اُس کی ضو میں ہے
یہ ہیبتناک جری برہمن اُس کے جلوہ میں ہے

ہمدردی کی روح:

وہی راون جو تھا سیتا کی شمعِ رُخ کا پروانہ　　جمالِ دلکشِ محبوبِ لاثانی کا دیوانہ

وہ جس کے حیلہ و تزویر و مکاری کی چالوں نے　　شرارت خیز شعلوں سے لگا دی آگ سی بن میں

اب اُس کی رُوحِ مضطر دہر میں کیا کام کرتی ہے　　کسی بن میں یہ اب بھی آرام سے لڑتی جھگڑتی ہے

وقت کی رُوح :-

سُنو، وہ آپ اپنے کام کا اعلان کرتا ہے　　ہوا کے جوف کو نغماتِ حیرت زا سے بھرتا ہے

راون کی رُوح کا گیت

انجمنِ حیات ہیں　　محفلِ کائنات ہیں

عالمِ ممکنات ہیں

میرے شرار سے تپش　　میرے نفس سے جوش ہے

شعلۂ بے قرار ہے　　ولولہ و خروش ہے

دہر کی ہر جمیل شے مجھ سے نمو پذیر ہے　　بن کے اجودھیا کی پری مجھ سے خراج گیر ہے

مجھ سے نجوم ناپدار تابشِ مستعار ہیں — پھول جمالِ حُسن کا حرفۂ زرنگار ہیں

شاخِ نہالِ گل فشاں — مجھ سے بہار در بہار

حسن فروغ در فروغ — عشق شرار در شرار

خونِ رگِ حیات ہُوں

مَیں نہ ہوں تو کچھ نہ ہو!

عرش مرا جہاں نہیں — میں ہُوں زمین کا مکیں

میرا جہان ہے زمیں

برقِ فسانۂ سکوں — میرا مذاقِ سوز و ساز

وحشتِ طبع شعلہ زاد — شورشِ ہائے ہُو کا راز

نرگسِ خوابناک کو مژدۂ قُم مری صدا — غنچۂ ناشگفتہ کو موجِ نسیم جانفزا

مجھ میں جہانِ زیست میں ربط ہے مثلِ جان و تن — ہے مرا تار و پودِ کار شاہدِ حق کا پیرہن

سوزِ درونِ خاک اگر — ایک شرر بھی کم ہُوا

پھر مرے دل کی آگ سے　　اخگرِ تازہ دم ہُوا

برقِ دلِ ممات ہُوں

میں نہ ہُوں تو کچھ نہ ہو

وقت کی روح:—

یہ آتش خو ہے مانندِ سمندر ایک ناری ہے　　بجائے خوں رگوں میں آگ کی اک نہر جاری ہے

یہی آتش مزاجی ہے شرار اِس کی طبیعت کا　　یہی آویزشِ پیہم اصُول اِس کی شریعت کا

یہ اپنے دس سروں سے سوچتا ہے مکر کی چالیں　　جو اپنے زور سے دُنیا سے اپنا رعب منوالیں

ہے عقل و فنوں کیا اِک کنیز خانہ زاد اُس کی　　یہ حرف آموزِ تلمیذِ کور دِ کم سواد اُس کی

یہی خواہش ہے اُس کی نیکدل سیتا کو بہکا کر　　بھگالے جائے لنکا کو اُٹھا کر اپنے شانوں پر

ترستا ہے یہ سُندر نار اُس کے ہاتھ آجائے　　یہ پیاری حُسن کی دُیوی کہیں پہلو گرمائے

کہیں اُس کی ہوس کو وصل کی راحت میسّر ہو　　صفا کُہسار کا چشمہ کثافت سے مکدّر ہو

وہ جب اِس حُسن کی من موہنی مُورت کو تکتا ہے　　ہوس کا دل کے اندر شعلۂ سرکش بھڑکتا ہے

خوشامد مکر و حیلہ عاجزی منت سماجت سے
فریب آمیز دلداری بناوٹ کی محبت سے

کسی ڈھب سے پھنسانا چاہتا ہے دام میں اُس کو
کہ وہ ناموس و عزت کو گنوا کر سب میں رسوا ہو

ہمدردی کی رُوح:

مگر سیتا کبھی راون کے چنگل میں نہ آئے گی
وہ حفظِ آبرو سے رام کی عزت بچائے گی

وہ اِک تصویر ہے مہر و وفا کی پاک دامن ہے
حیا و عفت و معصومی و حرمت کا مخزن ہے

نہ چھوڑے گی کبھی وہ پھوس کا اُجڑا سا گھر جس میں
اُسے محفوظ رہنے کے لئے رکھا ہے شوہر نے

بظاہر کس قدر ہشیار ہے شہ زور ہے راون
مگر باطن میں کچھ ہمت نہیں جز کید و مکر و فن

اُسی خندق تک پہنچ سکتا ہے دستِ فتنہ کار اُس کا
جہاں اِک خط جدا کرتا ہے دن اور رات کی دُنیا

ہے زور آور مگر سیتا پہ قابو پا نہیں سکتا
کبھی جادو سے اُس کے دِل پہ غالب آ نہیں سکتا

نہیں پروا کہ یہ دیوِ قوی ہیکل ہے دہ سر سے
تنِ کمزور با قلبِ توانا اِس سے بہتر ہے

وقت کی رُوح:

مجھے ڈر ہے کہ سیتا اُس کی گھاتوں میں نہ آ جائے
وہ اِک معصوم بچی ہے کہیں دھوکا نہ کھا جائے

ہے راون کو غرض ہر آپنے مطلب برآری سے
پھنسائے گا اُسے دامِ بلا میں حیلہ کاری سے!

پیشینگوئی کی رُوح:———

ہیں چالیں با دلیسی اُس کی عقلِ حیلہ فرما کو — وہ شانوں پر اُٹھالے جائے گا اک روز سیتا کو

ہمدردی کی رُوح:———

اُٹھالے جائے سیتا پھر بھی رُسوا ہو نہیں سکتی — اجودھیا بھوم تاریکی[1] سے لنکا ہو نہیں سکتی

پیشینگوئی کی رُوح:———

وہ دیکھو کس طرح راون بھکاری بن کے آتا ہے — فقیروں کی طرح کشکول کو آگے بڑھاتا ہے

ابھی سیتا نکل آئے گی باہر خطِّ فرماں سے — ابھی لغزش ہوئی اِس ہستیِ معصوم و ناداں سے

ہمدردی کی رُوح:———

الٰہی خیر ہو! راون کہیں غلبہ نہ پا جائے — شبِ تاریک۔ نورِ روزِ روشن کو نہ کھا جائے

---

[1] ہندوؤں کے نزدیک تمام جنوبی ہندوستان اور لنکا تاریکی اور جادو کی دُنیا ہیں۔ شمالی ہندوستان میں ضیا و نور کا عمل ہے۔

وہ دیکھو کر لیا محصور اُس نے جھونپڑا حُسن کا — پہنچ جائے خدایا وقت پر اس گھر کا رکھوالا

وہ آئے رام اب راون کا جادو چل نہیں سکتا

ہوئی شطرنج زدن میں اُن کی باہم کشمکش برپا

فضاؤں میں یہ مُہریں اس طرح محوِ تکلم ہیں — جہاں کو دیکھتی ہیں عالمِ افکار میں گم ہیں

اِدھر رام اور راون کی ہے بنا ہیں صف آرائی

عیاں کرتے ہیں اپنے دست و بازو کی توانائی

کبھی پسپا ہوئے جاتے ہیں رام اس پیکر سے — کبھی راون پہ میداں تنگ ہے اندازِ ششدر[1] سے

وہ سیتا جو حریمِ قلب میں گاندھی کے پنہاں ہے — یہ ہیبت زا نظارہ دیکھ کر کس درجہ ترساں ہے

ابھی گاندھی نے اِس کلاونند کا اک گیت دیکھا ہے — جسے وہ غور سے پڑھنے کا دل میں قصد کرتا ہے

ہنوز اک شعر بھی اِس گیت کا پڑھنے نہیں پایا — کہ راون جھک کے اُس پر ڈالتا ہے جسم کا سایہ

وہ ظاہر رام کا سایہ بھی ہے گاندھی کے شانے پر — کوئی سمجھے یہ ہے اک کیسا حیرت آفریں منظر

بہ حالت دیکھ کر گاندھی یکایک چونک اُٹھتا ہے — تمام اشیا کو گھبرائی ہوئی نظروں سے تکتا ہے

[1] شطرنج کے کھیل میں بادشاہ کا گھِر جانا۔

پکار اُٹھتا ہے[1] یارب علایہ واقعہ کیا ہے
حقیقت یہ ہے کہ یکسر واہمہ ہے ماجرا کیا ہے؟

الٰہی آج میرے سر پہ کیسے ابر چھائے ہیں
مرے اوسان گم ہیں ہر طرف سائے ہی سائے ہیں

میں دیوانوں کی صورت زور سے چیخوں گا جلد آؤ!
کہاں ہو دیوتاؤ آؤ مجھ پر رحم فرماؤ

وہ اک آسیب نے منہ کھول کر حملہ کیا مجھ پر
مجھے کھا جائے گا اک دم میں یہ دیو فلک پیکر

چھپا لیں رام جی آ کر مجھے دامانِ رحمت میں
تو رامائن پڑھوں گا صبحدم شوقِ عبادت میں

رام:—

نہ گھبرائیں ترا ہر دم مددگار اور یاور ہوں
میں تیرے سر پہ گویا سایۂ الطافِ داور ہوں

یہ نظمِ دلنشیں ہے کیمیا قدرت کے محل میں
بنا دیتا ہے سونا خاک کی مٹھی کو اک پل میں

پڑھے جاؤ اسے پڑھنا تمہیں انسان بنا دیگا
مکدر نفس کو سرچشمۂ عرفاں بنا دے گا!

گاندھی:—

مقدس رام تیرا شکریہ اب مجھ کو تسکیں ہے
تری آواز کتنی جانفزا ہے کتنی شیریں ہے

[1] گاندھی جی بچپن میں بھوتوں اور جنات سے بہت ڈرتے تھے۔ ملاحظہ ہو اُن کی خود نوشتہ سوانحعمری۔

صدا گوشِ سماعت میں تری اس طرح رہتی ہے، کسی غنچے پہ جیسے صبحدم شبنم برستی ہے

ترے ارشاد پر بس جان سے اپنی گزر جاؤں ہزاروں گیت فرطِ شوق سے نوکِ زباں کر لوں

راون :

سن اے ناداں یہ کیسا وعدہ و اقرار ہے تیرا سمجھتا ہے جسے گُل پیرہن کا خار ہے تیرا

متاعِ جانِ تیرہ بیں کو کتابوں پر فدا کرنا عبث طاقت کو بے لذت گناہوں میں فنا کرنا

کبھی خوابوں میں بھی ہم نے یہ نظارا نہیں دیکھا کسی انساں کو ایسا مست و بے پروا نہیں دیکھا

تمہاری زندگی کی رُوح گویا عیش و عشرت ہے جو یہ خاموش ہو تو جسم اک بے جان مُورت ہے

بہت ڈھونڈا مگر پایا نہ رازِ انساں نے دُنیا کا یہ عُقدہ ناخنِ عقل و خرد سے کُھل نہیں سکتا

مگر اس عمر کا احوال سب پر آشکارا ہے یہ ہستی ہر نفس بجھتا ہوا اک شرارا ہے

اگر انساں کی ہستی کی یہی ناپائداری ہے یہی اس مشتِ خس کا عالمِ آتش سواری ہے،

تو مثلِ برق وُہ بزمِ جہاں میں کیوں نہ خنداں ہو

بہارِ زندگی سے چند لمحے لُطف ساماں ہو۔

اگر منشائے قدرت ہے کہ انساں سختیاں جھیلے
تو ہم کو ہاتھ پاؤں آنکھ اور دل کس لئے بخشے؟

یہ دل کیا بند رہنے کیلئے بخشا ہے یزداں نے؟
جو اس کو قید کر رکھا ہے یوں سینے کے زنداں میں

تمہیں کہہ دو تمہارے جوشِ خوں کا کیا تقاضا ہے
اگر پھر بھی تمہیں عشرت سے نفرت ہے تو بیجا ہے

کتابوں میں ہے کیا جس سے تمہیں راحت میسر ہو
دل و جاں کو خوشی ہو آنکھ جلووں سے منور ہو

جہاں دیکھو صحائف میں سیاہی ہی سیاہی ہے
اگر پھر بھی جھکو ان پر نہایت کم نگاہی ہے

یہ وہ شے ہے جو آنکھوں کی بصارت کو فنا کر دے
دلِ بینا کو کورِ بے نگاہ و بے ضیا کر دے

نظر کر حسنِ فطرت پر جو دل کو تازگی بخشے
نگاہوں کو طراوت ۔ جاں کو لطفِ زندگی بخشے

ہمدردی کی روح :—— یہ سب شیطاں کی گھاتیں ہیں

رام :—— یہ گمراہی کی باتیں ہیں

راون :—— یہ دانائی کی باتیں ہیں

گاندھی :—— یہ سچائی کی باتیں ہیں

راون:

جوانی کا مزا کیا گر نہ ذوقِ عیش و عشرت ہو　　نہ کچھ لطفِ تماشا ہو نہ کچھ جینے کی لذت ہو

بہار آتی ہے دنیا میں تو گلبن پھول لاتے ہیں　　عجب جوشِ نمو سے سبزہ و گل لہلہاتے ہیں

چمن میں رقص کرتی ہے ہوا مستانہ وار اُٹھ کر　　فدا ہوتی ہیں گل پر بلبلیں پروانہ وار اُٹھ کر

فضا گونج اُٹھتی ہے کویل کی وجد انگیز کو کو سے　　نوائے قمریوں کی فاختہ کے شورِ حق ہو سے

اگر فطرت بہار آنے پہ یوں طوفان اُٹھاتی ہے
تو گویا آدمی کو وقت کا مصرف بتاتی ہے

جوانی! ہاں جوانی ہی وہ راحت کا زمانہ ہے　　جو انسانوں کے حق میں بادشاہت کا زمانہ ہے

یہ وہ عہدِ مسرت ہے کہ جس میں خود بخود انساں　　مثالِ گل ہوا کے لمس بے پروا سے ہو خنداں

اُمنگیں کھیلتی ہیں شوخ آنکھوں کی طرح دل سے　　تمناؤں کے شاہد اُٹھتے ہیں سینے کے محمل سے

مئے رنگیں کی صورت ساغرِ سرشارِ ہستی میں　　مچلتی ہیں ہزار دل آرزوئیں جوشِ مستی میں

جو ہیں سوئے ہوئے ارمان، جوہر، ولولے، جذبے　　شباب آنے پہ جاگ اُٹھتے ہیں فوراً خوابِ راحت سے

تخیل کا جہاں افسانوں سے آباد ہوتا ہے
تصورِ جنتِ موہوم سے دلشاد ہوتا ہے

نظر آتی ہے عشق و حسن کی اشعار کی دنیا
خیال و خواب کے سحر آفریں انوار کی دنیا

جہاں میں زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے
اندھیرے میں بھی اک تابندگی معلوم ہوتی ہے

دکھائی دیتی ہے موزونیت بوٹوں میں پھولوں میں
کفِ صحرا کی بھوری ریگ کانٹوں میں ببولوں میں

غضب کرتے ہیں سقفِ آسماں پر نیلمیں تارے
عیاں کرتے ہیں چشمِ حور کی مستی کے نظارے

شباب اک کیف بن کر عالمِ ہستی پہ چھاتا ہے
بشر کو بادۂ عشرت کا متوالا بناتا ہے

یہ زہد و فقر کی نظمیں پڑھے جانے سے کیا حاصل
سنو تم کو سناتا ہوں میں نظمِ شاعرِ کامل

وہ دلکش نظم جو ملتی نہیں اس کے سفینے[1] میں
اڑا لایا ہوں میں مشکل سے بس کر اس کے سینے میں

نظم

"نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور
نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور!

[1] سفینہ یعنی بیاض۔ ڈاکٹر اقبال نے اس وقت تک یہ نظم تحریر نہیں فرمائی تھی۔

فراقِ حور میں ہو غم سے ہمکنار نہ تو — پری کو شیشۂ الفاظ میں اُتار نہ تو

مجھے فریفتۂ ساقی جمیل نہ کر — بیانِ حور نہ کر۔ ذکرِ سلسبیل نہ کر

مقامِ امن ہے جنت مجھے کلام نہیں — شباب کے لئے موزوں ترا پیام نہیں

شباب آہ! کہاں تک اُمیدوار رہے — وہ عیش، عیش نہیں جس کا انتظار رہے

وہ حُسن کیا کہ جو محتاجِ چشم بینا ہوا — نمود کے لئے منّت پذیرِ فردا ہو

عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا
عقیدہ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

جوانی جس میں رُوحِ زندگی مفقود ہے کیا ہے — ستارے ہیں اگر تابندگی مفقود ہے۔ کیا ہے

غضب کرتے ہو فطرت سے گذر کر فن پہ مائل ہو — حقیقت چھوڑ کر افسانۂ باطل کے قائل ہو

فریب آمیز نقالی پہ جاں قربان کرتے ہو! — جہاں کو چھوڑ کر جنّت کی گلکاری پہ مرتے ہو

کہاں وہم اور کہاں رنگینیاں دُنیائے حاضر کی — کہاں خوابوں کی بے کیفی کہاں فطرت کی پرکاری

خیالوں کے غبار دُود پر اس درجہ قرباں ہو! — اور اس پر بھی یہ دعوے ہیں کہ اک انسانِ ذی شاں ہو

کجا موجِ سرابِ خشک صحرا و بیاباں کی، کجا شوکت کسی چشمۂ صحنِ گلستاں کی

نہ بھولو تم کبھی جو فرق ہے پیدا و پنہاں میں کسی موہوم حورِ خلد اور سینا سے انساں میں

غضب ہے ہم کتابوں سے کرو ضعفِ بصر پیدا مگر اِن دلرباؤں سے نہ ہو ذوقِ نظر پیدا

تماشا دلربا شہرہ ہے جن کی خوش ادائی کا ہے اک دنیا پہ جادو جن کی کافرماجرائی کا

ستم ہے بھونرے پھولوں سے ملیں شمعوں سے پروانے مگر انساں رہیں اک دوسرے کے ساتھ بیگانے

خیالوں کے جہانِ تیرہ کے نادان شیدائی! تجھے گھیرا نہیں بنیادو بالِ قیدِ تنہائی؟

تجھے لازم ہے اُٹھے اور جوانی کے مزے لوٹے

محبت کے نشاط و کامرانی کے مزے لوٹے

ہمدردی کی رُوح:

ستم کرتا ہے راون اُس کی یہ تقریر پُر افسوں کرے گی طفل کو زنجیری افکارِ ناموزوں

وہ اُس کے ساتھیوں کو کر چکا ہے نذرِ بربادی اب اُس کو بھی کریگا بسملِ شمشیرِ صیّادی

گئی تعلیم و صحبت بیا بنا بھائیوں کی اب قدرت سکھاتی ہے اُسے بھی معنوی اشغال سے نفرت

یہ حالت دیکھ کر میرا دلِ نازک تڑپتا ہے
کہاں ہیں رام ۔ راون درپے اغوائے سیتا ہے

پیشینگوئی کی رُوح :۔

کشتی آن پھنسی منجدھارے   کشتی آن پھنسی منجدھارے

کھینے والا ہے انجان

ہے کچھ تاب نہ کچھ سامان

گم ہیں ہوش ۔ اوسان

ڈر ہے ناؤ ڈوب نہ جائے!

ٹوٹ پڑا طوفان!

قہر ہے موجِ تند کی سیلی

ایک تباہی ہر سُو پھیلی

کشتی آن پھنسی منجدھارے   کشتی آن پھنسی منجدھارے

رام :

خطا کی راہ کتنی خوشنما معلوم ہوتی ہے
سراسر اک جنت کی فضا معلوم ہوتی ہے

نگاہیں اس کو اک گہوارۂ راحت سمجھتی ہیں
سرور جان و دل سرمایۂ عشرت سمجھتی ہیں

دکھائی دیتی ہے آنکھوں کو حیرتناک رنگینی
نہایت شانِ زیبائی مثالِ لعبتِ چینی

کچھ ایسی دلکشی محسوس ہوتی ہے معاصی میں
کہ اک تحریک سی ہوتی ہے یکدم قلبِ عاصی میں

یہ ظاہر کی چمک لیکن سرابِ دبدبہ ہے یکسر
فریبِ دیدۂ نظارہ ہے یہ سحر زا منظر!

حقیقت چشمِ دل سے مخفی و مستور رہتی ہے
نظر جھوٹے سرابی نشہ سے مخمور رہتی ہے

مگر جب اصلیت ہوتی ہے ظاہر چشمِ باطن پر
تو ہوتا ہے عیاں انساں کے دل پر فرقِ خیر و شر

مئے گلفام ظاہر میں بہت دلکش ہے رنگیں ہے
نشاط و کیف کا اک کیمیائے سحر آگیں ہے

مگر جب ذوق دے چکتی ہے اس کی موجۂ احمر
تو ہوتے ہیں عیاں رنجِ خمار و وہن و دردِ سر

جوانی بھی اک ایسا نشۂ افسانہ پرور ہے
نشاطِ عارضی کے واسطے لبریز ساغر ہے

بڑھا دیتا ہے حد سے غافلوں کا جوشِ سرمستی
نظر آتی نہیں ان کو بلندی کے تلے پستی!

جب اُن کے دِل سے ہو جاتا ہے جوشِ زندگی رخصت — تو کرتے ہیں ادا بربادیوں سے عیش کی قیمت

کبھی گھاٹی پہ تم نے گوسفندِ نر کو دیکھا ہے

جو آزادی کے فطری جوش میں ہر سُو اُچھلتا ہے

کھڑا ہوتا ہے خارا پر کچھ ایسی شان و شوکت سے — کہ پتھر دبتے جائیں دبدبے سے پاؤں کے نیچے

وہ کہساروں کا جیّد بادشہ معلوم ہوتا ہے — بہ صَولت سر بسر شیرِ ببر معلوم ہوتا ہے

یکایک سامنے اک عشق کا ہم جنس رعنائی — اُسے باصد فسونِ دلبری دیتی ہے دکھلائی

مثالِ برق اُس کے سینہ میں اک لہر اُٹھتی ہے — کہ جیسے مہ سے جُنبش سی دُرونِ بحر اُٹھتی ہے

بدن میں ایک طراری سرایت کرتی ہے یکدم — کھڑا ہوتا ہے تن کر پتھروں پر صُورتِ ضیغم

پھر کر جست بھرنے کیلئے تیار ہوتا ہے — پُر از سرعت مثالِ آہوئے تاتار ہوتا ہے

سمجھتا ہے کہ مثلِ تیر محبوبہ کو جائے گا — قدم اُٹھنے نہیں پاتا کہ وہ منزل کو پائے گا

دفورِ جوش میں کب دیکھتی ہیں شوق کی آنکھیں — کہ کتنی کھائیاں مُنہ کھول کر بیٹھی ہیں رستے میں

سلہ یہ مثال مولانا روم سے ماخوذ ہے۔ اور ہم تک ڈاکٹر آر۔ اے نکلسن کے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے پہنچی ہے ہم نے اس تشبیہ کے بیان زیادہ وسعت دے کر بیان کیا ہے۔

وہ محبوبہ کی جانب بے تامل کود پڑتا ہے　　　　عبث گھاٹی سے گر کر جان کو برباد کرتا ہے

یونہی خطرات سے پُر ہے رہِ عشرت بھی اے غافل
طرب کی خواہشیں ہیں کلفت و ادبار کی حامل

نہیں اس بات سے حاصل ہلاکت کے سوا کچھ بھی　　　　ندامت شرمساری اور خجالت کے سوا کچھ بھی
یہ ٹیڑھی راہ پر چلنا کنارِ بام چلنا ہے　　　　زمیں پر سر کے بل گر کر عبث مٹی میں رلنا ہے

خدارا اس بھیانک، پُرخطر رستے سے ہٹ جاؤ
پڑھو! اس نظم کو شیطان کی گھاتوں میں مت آؤ

نشّی کلاؤنند کی نظم

ضبط نفس

زیورِ انسانیت تسخیرِ نفس　　　　صیقلِ رُوحانیت تسخیرِ نفس
ہے اسی شے سے کمالِ شخصیت　　　　رُو بہ افزونی جمالِ شخصیت!

جس میں ضبطِ نفس کا یارا نہیں — تابِ جنگِ نفسِ آمارہ نہیں

اُس کی فطرت مایلِ رفعت نہیں

کوئی انسانی خصوصیت نہیں

ہے یہی تسخیرِ نفسِ فتنہ کار — ابنِ آدم کے شرف کا مایہ دار

اُس کا سینہ عرش کی قندیل ہے — رہگذارِ شہپرِ جبریل ہے

بے فروغِ سینہ دل اِک چشمِ کور — تیرہ و تاریک مثلِ بطنِ گور

گر نہیں بیگانۂ عصیاں بشر — ہے خطا کی رہ پہ دائم پے سپر

ق

مثلِ دام و دد غریقِ اِشتہا — سطوتِ اِنسان سے ہے نا آشنا

رُوحِ ادنیٰ قالبِ اعلیٰ میں ہے — سفلہ ناری عالمِ بالا میں ہے

جس قدر اِنساں ہُوا نذرِ ہوا — اُس قدر آفاق میں رسوا ہُوا

جس قدر رفعت سے رُوگرداں ہے وہ — رُخ بہ سُوئے عالمِ حیواں ہے وہ

عیش و عشرت ارتکابِ خودکشی — قاطعِ اصلِ اصولِ زندگی

لذت اندوزی جگر خائے کمال
فطرتِ روشن کو تحریکِ زوال

نفسِ سرکش مثلِ نارِ فتنہ خیز　　ہے بقدرِ چوبِ عصیاں تُند و تیز
جس قدر ایندھن زیادہ ہو گیا　　ق　آگ کا خرمن زیادہ ہو گیا
دمبدم چنگاریاں بڑھتی رہیں　　آخرش نارِ جہنم ہو گئیں!

جس کے شُعلے بجھ نہیں سکتے کبھی
خواہ لائیں کوثر و تسنیم بھی

جس قدر ہو گا سواد ذوقِ ہوس　　اُتنی خفّت ہو گی مانندِ مگس
سم ہیں انسانوں کی خاطر خواہشات!　　گرچہ ہیں شیریں تر از قند و نبات!

دہر سے قطعِ تعلق ہے تو کیا؟
دل نہیں وارستۂ حرص و ہوا

گر نہیں نفسِ زبوں پر اختیار　　خواہشیں ہیں توسنِ دل پر سوار

ہے وہی اسفل تمناؤں کا زور — صورتِ امواجِ مستِ بحرِ شور

خواہشوں کا سینہ میں طوفان ہے — حسرت و ارماں کا اک ہیجان ہے

کھینچتے ہیں دل کو دنیا کو مزے — آنکھ ہے مسحورِ رنگِ دہر سے

پھر کہاں طبعِ بشر آزاد ہے

دل ہوس کے کوچہ میں آباد ہے

تو کہ ہے دامِ علائق میں اسیر — زندگی تیرے لئے ہے جوئے شیر

خواہشاتِ نفس پر قربان ہے — عیش پر مرنا ترا ایمان ہے

دیکھ عشرت کا ثمر اچھا نہیں — شوقِ راہِ پُر خطر اچھا نہیں

الحذر عیش و طرب سے الحذر — خطرہ سے خالی نہیں یہ رہگذر

فرض ہے تجھ پر جہاں کی چاکری — فرض ہے ماں باپ کی خدمتگری

ہے تجھے کرنا فرائض کو ادا — جادۂ لذاتِ دنیا پر نہ جا

ہے دیارِ معصیت ہنگامہ خیز — ہو سوئے معصومیت تیرا گریز

واں فضائے امن میں آباد رہ

پنجۂ ابلیس سے آزاد رہ

گاندھی :

بلند اشعار ہیں لیکن مجھے کیسے سمجھ آئے
کہ حاصل کچھ نہیں انساں کو دنیاوی لذائذ سے

مجھے سارے مزوں میں دلکشی معلوم ہوتی ہے
پریشاں ایک روحِ زندگی معلوم ہوتی ہے

نمودِ جوہرِ فطرت تقاضا ہے طبیعت کا
جہاں میں زندہ دل رہنا ہی مقصد ہے مشیت کا

چمن میں پھول اپنے حسن کا اظہار کرتے ہیں
ستارے آسماں سے بارشِ انوار کرتے ہیں

تو انساں چند روزہ زندگی میں کیوں نہ گل کھیلے

مزے لوٹے وفورِ شوق میں دنیائے فانی کے

راون :

جوانی کیا جو یوں بے کیف و بے لذت گذر جائے
بہت بہتر ہے اس جینے سے گر انساں مر جائے

وہ بستر پر نزی کا فرادا سے خواب سوتی ہے

لباسِ مخملیں میں صورتِ مہتاب سوتی ہے

یہ پلکیں جن کے نظارہ سے از خود نیند آ جائے
دل و چشم و بدن میں روحِ سرمستی سما جائے

گُلِ عبہر کی صورت آنکھ زیبا نقش رکھتی ہے
برائے سیرِ تفریحِ نظر پھولوں کی کشتی ہے

ملاحت میں رُخِ سیمیں کی ہلکی خون کی رنگت
ہے شنگرفِ شفق کی فاختائی ابر سے سنگت

صباحت کا یہ عالم دیکھ پائے آنکھ شاعر کی
تو سمجھے شعلہ گو ما پھوٹ کر خُم سے ابھی نکلی!

زپا تا سر بدن کو ایک شاخِ یاسمن کہئے
جبینِ سیمگوں کو اک شگفتہ نسترن کہئے

کبھی دیکھا ہے تم نے پھول کا گلبرگِ برگشتہ؟
یہ نازک ہونٹ ہیں اُن کا جوابِ نغزِ برجستہ

لبوں کو دیکھ کر اُس کے رُخِ رنگین و دلکش پر
کوئی سمجھے کہ اک ننھی سی تتلی پھول میں دھنس کر

یہ خواہاں ہے کہ اُس کو بھینچ کر رس چوستی جائے؛
لگائے رکھے اپنے سینہ سے مُنہ چومتی جائے! ق

نہ ہو جیسے کوئی بچہ جدا پستانِ مادر سے
نہیں جاتی کہیں اس رس کے ذوقِ کیف پرور سے

وہ موئے گیسوئے پُرخم کہ جیسے تارِ ابریشم
وہ دندانِ حسیں جیسے کفِ گل میں دُرِ شبنم

ڈھلک رُخسار کی جیسے وہ غنچہ جس کے چہرے سے
عیاں ہو سترِ چادر اُٹھ کے گُل مُنہ کھلنے سے پہلے

گداز و نرم سینہ جس پہ دو بھونرے سے قُرباں ہیں
کسی عاشق کی گویا چھپ کے ہائے شوق ساماں ہیں

وہ نُقطہ سُرخ سا سیما پہ دلکش خالِ احمر ہے
فضائے آسماں میں ایک مریخ منوّر ہے

یہ سینے کا اُبھار اک موج ہے جمنا کے پانی کی
قیامت ہیں ادائیں جس کے اندازِ روانی کا

نہیں یہ پیکرِ انسانِ خاکی اک بطِ مے ہے
سراسر ارغوانی رنگ میں ڈوبی ہوئی شے ہے

پری فطرت کی سوتی ہے حسین دلبر یا بن کر
مثالِ زہرۂ خوابیدۂ[1] کا فرادا بن کر

یہ دیوی حُسن کی اور تم رہو یوں اُس سے بے پروا
مزا کیا اگر گذر جائے یُونہی عالم جوانی کا

سنوئیں تم کو اشعارِ نشاط افزا سُناتا ہُوں
جوانی کے حسیں جذبات کا نقشہ دکھاتا ہُوں

غزل

دلِ غمِ محبت میں کیوں فنا نہ ہو جائے
حُسنِ نازِ خوباں پر کیوں فدا نہ ہو جائے

[1] زہرۂ خوابیدہ (Sleeping Venus) ایک مغربی مصوّر کا واقعی لاثانی و نادر شاہکار ہے۔

دیکھتا ہوں میں اکثر تابشِ مہ انور ! | تجھ سے ملتا ہے کافر دلربا نہ ہو جائے

یہ شباب کی راتیں۔ خطِ وصل کی باتیں | ذکرِ زہد سے۔ کیونکر دل خفا نہ ہو جائے

کاش! میرے سینے سے ہو جدا نہ وہ کافر | جب تلک کہ سینے سے دم جدا نہ ہو جائے

بوسۂ لبِ رُخ کی لذتیں۔ تعالیٰ اللہ! | اور ہی مری جاں پر ماجرا نہ ہو جائے!

ہمکنار ہو جائے ہم سے گر بتِ کافر | عشرتِ محبت کی انتہا نہ ہو جائے

اُس کے وصل کی دولت اور مجھے میسّر ہو
یہ غریب دُنیا کا بادشہ نہ ہو جائے

گاندھی:

جوانی غیر شاعر کو بھی اک شاعر بناتی ہے | زباں کو اس طرح طرزِ غزل گوئی سکھاتی ہے

غزل

ہے شکل دلفریب ادائیں بھی پرفسوں | میں مبتلائے الفتِ محبوب کیوں نہ ہوں

دیکھے ہیں میں نے عرصۂ آفاق کے حسیں — تیرا فسونِ حسن وہ شے ہے کہ کیا کہوں

وہ اور اُن سے لطف و عنایت کی آرزو! — آخر شکارِ سادہ دلیہائے شوق ہوں

ہے اُس کی چشمِ شوخ اگر خوگرِ گریز؛ — مَیں کیوں نہ چشمِ شوق کو اذنِ فراغ دوں؛

ہے ابتدا میں بھی غمِ عہدِ وفا مجھے — گویا مآلِ شوق کا میں رازدار ہوں

مانا کہ عشق ایک خلل ہے دماغ کا

ہو حُسن بے مثال کسی کا تو کیا کروں؛

ہمدردی کی رُوح:-

وہ راون جیت نکلا آہ! تقریروں نے ظالم کی — کیا گاندھی کے دل کو غرقۂ دریائے گمراہی

نہ کرنا چاہیے تھا اُس کو جو وہ کام کر بیٹھا — پیا دھوکے میں آکر جامِ اِک زہرِ ہلاہل کا

بُرا ہو بے سمجھ اطفال کی بے وقت شادی کا — کہ یہ اِک پیش خیمہ ہے تباہی و نامرادی کا

نہیں گاندھی کو پروا باپ کے رنجِ علالت کی — نہ دُھن ہے، کوئی خدمت کی نہ خواہش ہے عیادت کی

وُہ اپنے کاروبارِ شوق میں مشغول رہتا ہے — خیالِ دین و دنیا قلب سے معزول ہے

نہ جانے اس انوکھے کھیل کا انجام کیا ہوگا — مآلِ مبتلائے حلقہ ہائے دام کیا ہوگا

رہے گا یونہی گاندھی نفس کا صیدِ زبوں بن کر

کہ نکلے گا حصارِ نفس سے محکم ستوں بن کر

پیشینگوئی کی رُوح

ہزاروں بار وہ شیطان کے پھندے میں آئے گا — ہزیمت کھائے گا اور اپنی کمزوری دکھائے گا

مگر اُس کا ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو جانا — ضمیرِ مضمحل کی طاقتیں مسلوب ہو جانا

کسی صُورت میں اے ہمدم یہ ممکن ہو نہیں سکتا — کہ انساں گمرہی سے نُورِ باطن کھو نہیں سکتا

ذرا دیکھو اُسے افسوس ہے کتنا گناہوں کا — ہیں اشک آنکھوں میں اور لب پر تسلسل سرد آہوں کا

ذرا دیکھو خطاؤں پر اُسے کتنی ندامت ہے — کہ ہر لحظہ دلِ گمراہ کو لعنت ملامت ہے

یہ کہتا ہے الٰہی ایسی لغزش کیوں ہوئی مجھ سے — کہ ڈالے نفس نے یُوں میری عقل و فہم پر پردے

مَیں عاصی ہُوں مگر شیطان کا پیرو نہیں یا رب — بغیر از نُورِ حق مجھ کو کسی سے لو نہیں یا رب

نہایت شرم ہے مجھ کو خطائے سہو و عصیاں کی — کرم فرما بتا دے میرے دِل کو راہِ ایماں کی

ذرا اس مردِ حق کی دیکھنا شانِ صداقت بھی
جو ذلت کذب کی اصلاً گوارا کر نہیں سکتی

صداقت کا شوق

یہ اس نو عمر کے اُس صدق کی جانب اشارا تھا — جو اُس کے آسمانِ دل کا روشن قطب تارا تھا
اُسے لہو و لعب سے فطرتاً شدت سے نفرت تھی — گروہِ اہلِ دُنیا سے الگ رہنے کی عادت تھی
پدر بھی ان دنوں بیمار تھا چل پھر نہ سکتا تھا — سہارا تھا فقط اولاد کی تیمارداری کا
بہت بیٹے کو اُس کی ماندگی کی فکر رہتی تھی — اُطاقِ مدرسہ میں بھی اُسی کی فکر رہتی تھی
چلا آتا تھا رخصت پا کے گھر فوراً ہی مکتب سے — کہ خدمت میں پدر کی صرف ہوں لمحے فراغت کے
رہِ خدمت میں لیکن یہ توغل تھا بہت مشکل — کہ مجبوری ریاضت شام کی تھی راہ میں حائل
گذارش ایک دن اُستاد سے کی جا کے گاندھی نے — کہ وہ کچھ دن ریاضت سے اُسے اذنِ برأت دے
مگر اُستاد نے اُس کی گذارش مسترد کر دی — اُسے جانا پڑا ہر روز مکتب میں بمجبوری

قضائے کار اک دن کھر نے دھوکا دیا اُس کو ۔۔۔ بنی غول اور راہِ راست سے بھٹکا دیا اُس کو

بالآخر دیر سے جب منزلِ مقصود کو پہنچا ۔۔۔ تو گاندھی نے جماعت کا نہ واں نام و نشاں پایا

سبب پوچھا گیا جب دوسرے ہی دن نہ آنے کا ۔۔۔ تو اُس نے کر دیا عذر اپنے رستہ بھول جانے کا

یہ بات ایسی تھی جو اُستاد باور کر نہ سکتا تھا ۔۔۔ کبھی اِس عذر پر گوشِ سماعت وہ دھر سکتا تھا

کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ مجھے کیسے یقین آئے ۔۔۔ کہ ہر روز آنے والا شخص رستے سے بھٹک جائے

لگی اک چوٹ دل پر گاندھی کے آنسو نکل آئے ۔۔۔ کہا مجھ کو ڈبویا ہے مری غفلت شعاری نے

سبق دیتی ہے میری مدرسہ میں ذلت و خواری ۔۔۔ کہ سچ کیواسطے لازم ہے اِس دُنیا میں ہشیاری

یہ پہلی اور اخیری بات تھی بے احتیاطی کی ۔۔۔ جو گاندھی سے ہوئی سرزد بہ عہدِ غفلتِ طفلی

بھنور سے جھوٹ کے نکلا وہ مردِ باخبر بن کر ۔۔۔ نہایت حزم و ہشیاری سے پہنچا ساحلِ حق پر

بہ اندازِ صداقت دیکھ کر خوش ہو گئیں رُوحیں
سخن آرائیاں کرنے لگیں گاندھی کے بارے میں

ہمدردی کی رُوح

پسند آئی مجھے طرزِ روشِ گاندھی کی اے ہمدم
عیاں کرتی ہے یہ شیطان پہ تفضیلِ بنی آدم

بتا سکتی ہے کیا وہ اپنے دن یوں ہی گذارے گا
نہ ہو گا نفس پر قربان حق پر جان وارے گا

پیشینگوئی کی رُوح

یہ اُس کی فطرتِ دو رنگ کا پہلوئے روشن ہے
جو اپنی جلوہ سامانی سے رشکِ نورِ ایمن ہے

مگر دن کے مقابل سرزمینِ دل میں شب بھی ہے
قمر کے ساتھ لیلِ اسودِ مشکیں نسب بھی ہے

وہ دیکھو دن ڈھلا جاتا ہے پھر اور رات آتی ہے
کہ خواہش وصل کی گاندھی کے دل کو تلملاتی ہے

کسی دن رام شاید دفعتاً لنکا پہ چڑھ آئیں
کریں راون کو زیر اور اپنی سیتا کو چھڑا لائیں

تیسرا باب[۱]

آزمائش

گاندھی کا ایک دوست

ہوا جب کامیاب اس طرح راوَن مسلکِ شر میں — تو ظاہر ہو گیا آفاق میں انساں کے پیکر میں

یہ انساں ایک یارِ غار تھا گاندھی کے بھائی کا — صریحاً شکل سے اعلان تھا جس کی بُرائی کا

مگر گاندھی نے اُس کو ایک یارِ باوفا سمجھا — ہوا خواہ و اخوّت کیش و مخلص آشنا کا

۱؎ اس باب میں جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں گاندھی جی کی خود نوشتہ سوانح عمری کے مطابق ہیں۔

کہا اماں نے اس انساں سے واجب ہے حذر تم کو
مجھے ڈر ہے کہ پہنچائے گا یہ اک دن ضرر تم کو

یہی تہدید کی سب سے بڑے بھائی نے برجانے
کہ شیطانی خصائل اُس کے صُورت سے ہویدا تھے

کہا گاندھی نے تم اُس کی یونہی تحقیر کرتے ہو
تم اُس کی آیتِ دل کی غلط تفسیر کرتے ہو

اگر اُس میں معایب ہیں تو بہی خوبیاں بھی ہیں
سحابِ تیرہ کے پردہ میں خود بجلیاں بھی ہیں

وہ بد اطوار ہے تو میں اُسے شر سے بچاؤں گا
اگر گمراہ ہے تو سیدھے رستے پر لگاؤں گا

کبھی میری طبیعت پر وہ قابو پا نہیں سکتا
ہے ناممکن کہ پائے کوئی میرے دل پہ استیلا

یہ بے چینی ہے کیا میری طرف سے مطمئن رہیے
تردد سے طبیعت کو نہ اپنی مضطرب رکھیے

انہی ایام میں اصلاح کی تحریک نکلی تھی
نظر آتی تھی اس تحریک میں بھارت کی بہبودی

نئے ساتھی نے گاندھی سے کہا دیکھو تو سب دُنیا
شراب اور گوشت کھا کر ہو گئی ہے فربہ و دانا

ہمارے شہر کے سب لوگ چھپ کر گوشت کھاتے ہیں
وہ سب در پردہ پیتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں

ہمارے مدرسہ میں جس قدر اُستاد ہیں چھُپ کر
انہی اشغال میں کرتے ہیں صرفِ نقد و سیم و زر

جو ہیں یہ مکتبِ اعلیٰ کے طالبعلم اُن کی بھی
یہی ہے لحم سے وابستگی اور شغلِ مے نوشی

سُنی یہ بات تو گاندھی ہوا سرگشتہ و حیراں
نہ تھا وہم و گماں میں اُس کے ان حالات کا امکاں

ہوئی جب اس طرح گاندھی کو حیرت ان حقائق پر
طبیعت کی زمیں میں پڑ گیا تخمِ سیاہ تر

تو کی راون نے پھر آبیاری خوب تیاری
بہت سی کھاد ڈالی رِند و شب دکھلائی ہشیاری

کہا گاندھی سے کتنے مضمحل ہو۔ ناتواں ہو تم
تمہاری جان کیا ہے ایک مشتِ اُستخواں ہو تم

مجھے دیکھو کہ میرے بازوؤں میں کتنی طاقت ہے
یہ ساری بادہ نوشی گوشت خوری کی کرامت ہے

ہے نسبت کیا تمہاری کاہلی کو میری سُستی سے
تمہاری صحتِ ناقص کو میری تندرستی سے

اگر آہن کی بھی زنجیر ہو میں توڑ سکتا ہوں
کماں سے ماہیِ گرداں کی آنکھیں پھوڑ سکتا ہوں

یہ کہہ کر جسم کے اعصابِ فولادی کو پھیلایا
زبسکو کی طرح جھنجھوڑ کر پٹھوں کو دکھلایا

کہا اک تیغِ آہن لے کے مارو میرے بازو پر
اُچٹ آئے نہ گر مانندِ تیغ از سختی مغفر

یہ سب کچھ کس لئے ہے شُتر بے سی گوشت کھانے سے
بدن کو عیش و نائے و نوش کی رغبت دلانے سے

اگر باشندگانِ ہند کی یہ ناتوانی ہے — اگر اغیار کی مدت سے اُن پر حکمرانی ہے
تو ظاہر ہے کہ اِن حالات کا اصلی سبب کیا ہے — انہیں جیو ہتیہ کا اندیشہ اِن کو جسم پیارا ہے
مجھے دیکھو قوی ہیکل ہوں، زور آور توانا ہوں — کسی سے شرط ہو جائے تو میلوں دوڑ سکتا ہوں
مرض آتے نہیں میرے مقابل خوف کے مارے — بدن کے رعب سہم انگیز سے ڈرتے ہیں بیچارے
ہمارے شہر کے سب لوگ کیا نادان و جاہل ہیں؛ — کہ وہ اس درجہ اِن اشیا کی اچھائی کے قائل ہیں
وہ اِن کی خوبیوں کو جانتے ہیں اِن پہ شیدا ہیں — مری صورت نہایت فربہ مضبوط و برنا نہیں
انہیں چکھ کر بنو شہ زور، جید پہلوان تم بھی — خدارا اِن کو کھاؤ اور بنو مردِ جوان تم بھی

یہ باتیں ڈال کر گاندھی کے دل میں کچھ خلل سے بھی
دکھا دیتا تھا بعض اوقات، وہ شانِ جوانمردی

وہ اُس کی دوڑنے میں اس قدر حیرت فزا سرعت — بلا کی قوتِ برداشت، ہمت، حوصلہ، جرأت

اُچھلنا تو تعجب زا بلندی تک اُچھل جانا ہوا میں تیرِ جستہ کی طرح اُونچا نکل جانا

جو لمبی جست پر آئے تو واں بھی وہ غضب ڈھائے کہ اُس کو دیکھ کر بن کا ہرن سکتے میں آ جائے

اثر کچھ بھی نہ ہوتا تھا بدن پر مار کھانے سے کوئی کلفت نہ ہوتی سختی بیحد اُٹھانے سے

یونہی ہر روز اپنے زور کا اظہار کرتا تھا نئے آئینِ اکل و شرب کا پرچار کرتا تھا

ہُوا گاندھی کا بھائی جلد اس تعلیم کا قائل کہ وہ پہلے ہی تھا اس مشربِ رندانہ پر مائل

بنا اب اپنے پُرفن دوست کا ہمداستاں وہ بھی لگا کرنے نئے مذہب کی تعریفیں بیاں وہ بھی

کہا گاندھی نے اپنے دل میں اُف میں کتنا لاغر ہوں یہی چمڑہ یہی چمڑہ ۔ اِک حبابِ خست بر سر ہوں

کسی صورت اگر مجھ میں زیادہ زور ہو جائے تو ایشور کی دیا سے گوہرِ مقصود ہاتھ آئے

اُسے بھوتوں پریتوں سے ہمیشہ خوف آتا تھا تصور اُس کو سانپوں اور چوروں سے ڈراتا تھا

اندھیرے میں نکلنے کی اُسے جرأت نہ ہوتی تھی کوئی تاریک شب بے غلبۂ وحشت نہ ہوتی تھی

رفیق اُس کا مگر ان چھوٹی باتوں سے نہ ڈرتا تھا
وہ جیتے سانپ کو ہاتھوں میں لے کر کھیل کرتا تھا

انہی ایام میں طلبہ میں اک شاعر کی تُک بندی　　بہ صد شور و شغب نوکِ زباں ہر گروہ تھی

اشعار

دیکھو یہ شہ زور فرنگی
جس کا یاں نہیں کوئی سنگی
ہندی پر کرتا ہے حکومت
وہ ہندی جس میں نہیں قوّت
چونکہ وہ کھاتا ہے ماس
اُس کا قد ہے جیسے بانس

یہ سُن کر ہو گیا گاندھی بھی مائل گوشت کھانے پر　　کہ شاید دولتِ سوراج ہو اس بات میں مضمر
یہ طے پایا کہ تینوں دوست اک دن برلب دریا　　نیا کھانا پکائیں اور اُٹھائیں لُطف کھانے کا
مگر اندیشہ تھا گاندھی کو گھر والوں کو یہ باتیں　　نہ جانے کن ذریعوں سے کبھی معلوم ہو جائیں

غضب ہوگا اگر ماں باپ تک یہ آگ جا پہنچی — کہ ویشنو جین۔ جیو ہتیہ کے ہیں سب بڑے بیری

اُنہیں اِس واقعہ سے کس قدر آزار پہنچے گا — یہ صدمہ اُن کے نازک دل پہ کتنا شاق گزرے گا

خود اپنے باپ ماں کے ساتھ دھوکا اور کھلا دھوکا! — فقط اِک شے نے افشائے حقیقت سے اُسے روکا

کہ شاید اس طرح ہندوستاں آزاد ہو جائے

بہ خرچ دولتِ ایماں، دُرِ شہوار ہاتھ آئے

نئے کھانے کا دن آنے پہ تینوں ہم نفس مل کر — چلے دریا کو چھپ چھپ کر بہ صد خوفِ دلِ مضطر

پہنچ کر واں پکایا اور کھایا گوشت کا کھانا — مصیبت ہو گیا لیکن یہ پہلا بے مزہ کھانا

منغّص ہو گئی اِتنی طبیعت اس سے گاندھی کی — کہ نوبت تا بہ درد و سوء ہضم و امتلا پہنچی

نہ پوچھو کس طرح اِس بستری پر رات بھی گزری — قیامت تھی۔ بلا تھی ایک معمولی سی شب کیا تھی

چھلاوے بن کے آتے تھے نظر چھت پر جو جالے تھے — اندھیرے کے نظارے کیا تھے ہیبت ناک کالے تھے

کبھی گرتے نظر آتے تھے عقرب فیل سے بن کر — کبھی روزن کے ذرّے وحشت افزا بھیل سے بن کر

کبھی چونک اُٹھتا تھا یکدم ڈراؤنے خواب سے گاندھی — پڑا تکتا تھا ناگوں کے سیہ گرداب سے گاندھی

لگی آنکھ اور شکم میں گوسفند اس زور سے لولی کہ گاندھی کی طبیعت پر ہُوا ہیجان مستولی

مگر جب دن ہوا تو چل بسی ساری گرانجانی

ہوئے مفقود پہلے دن کے آثار پریشانی

خیال آیا اُسے پھر ملک کے سوراج پانے کا پئے قوم و وطن اشیائے ممنوعہ کے کھانے کا

ہوئی اس بات سے تسکین اُس کے قلب مضطر کو کیا مائل نئے کھانوں پہ پھر طبع مکدّر کو

ہوئی کم رفتہ رفتہ طعم نو سے اُس کی بیزاری گوارا ہو گئی دل کو دوا کی تلخ کرداری

ہوا عادت ریاست کے مکان خاص و عوت میں بنا کر شوق سے ہر روز کھانے پُر مزہ کھانے

مگر جس دن ہمارے نوجواں سوراجیہ کے عامل یہ کھانے کھا کے گھر آتے تو ہوتی سخت ہی مشکل

کہ اُن کو کھانا کھانے میں بہت پرہیز ہوتی تھی طبیعت تا بحدِ آخری لبریز ہوتی تھی

بچاتے تھے وہ اس اُفتادِ مشکل کو بہانوں سے فتورِ معدہ و دردِ شکم کی داستانوں سے

بہ کڑیاں ٹالتے تھے سر سے گاندھی جھوٹ کہہ کہہ کر ضمیرِ منفعل پر سینکڑوں صدمات سہ سہ کر

یہ کذب اُس کیلئے اک جان کا سوہان رہتا تھا فریبِ مادرِ مشفق سے اک خلجان رہتا تھا

پالا آخر کر لیا اُس نے تہیّہ ترکِ لذّت کا — کہ وہ اِس کذب کی ذِلّت گوارا کر نہ سکتا تھا

کہا جب تک مہرباں باپ میرے سر پہ قائم ہیں — یہ باتیں مجھ کو مانندِ طعامِ پیشِ صائم ہیں

رہا اک سال تک یہ لذتوں کا سلسلہ جاری — یہاں راون نے اپنی جیتی بازی رام سے ہاری

مگر اس جنگ کے دوران میں راون نے بھی اکثر
دکھائے اپنی عقل و فہم کی شمشیر کے جوہر

کیا میدان تنگ اُس نے مقابل لڑنے والوں پہ — کئے حملوں پہ حملے جھنجھلا کر بڑھنے والوں پر

حرزِ طلائی

ہُوا اک دفعہ ختم ان دونوں میں دستِ کسبِ زر — تو ڈالا اُس نے گاندھی کو خطا کاری کے رستے پہ

بڑے بھائی کے پاس اِک قیمتی حرزِ طلائی تھا — بنا صیدِ ہوس یہ گاندھی کے دستِ تطاول کا

پشیمانی ہوئی اُس کو بہت اپنے تنزّل پر — بہائے اشک اپنی گمرہی پر منفعل ہو کر

ہوا دل میں ہُوا پھر گفتگو کا سلسلہ جاری — فضا میں ہو گئی پھر ایک روحِ زندگی ساری

وقت کی روح:

یہ شمشیرِ روشن کی لہر مسلسل	شررجوش مانندِ تابیدہ مشعل

اِدھر سے سوالِ دمِ تیغ برکل	اُدھر سے بہ عجلت جوابِ مدلّل

یہ گفتار و تکرارِ پیہم غضب ہے!

یہ رامؔ اور راونؔ کا دم خم غضب ہے

وہ دیکھو ہُوا رامؔ پر تنگ میداں	نہیں دیو کے ساتھ پیکار آساں

ہے تیغ اُس کی بجلی کی مانند سوزاں	فنا کرتی ہے دم میں سو خرمنِ جاں

یہ عالم ہے گر اُس کی تیغِ رواں کا

تو ہے فیصلہ لڑنے والے جواں کا

ہمدردی کی رُوح:

رامؔ خجلت کشِ بدخواہ نہیں ہو سکتا	کوہ پامالِ پرِ کاہ نہیں ہو سکتا

آسماں لطمہ خورِ آہ نہیں ہو سکتا	شیرِ نر بازیِ رُوباہ نہیں ہو سکتا

دیکھنا ہو گئی راون کو شکست آخر کار

حوصلے ہو گئے شیطان کے پست آخر کار

کس قدر گاندھی کو احساسِ گنہگاری ہے — دل میں کس درجہ پشیمانِ غلط کاری ہے

اشکِ افسوس کی آنکھوں سے جھڑی جاری ہے — عفو کی خالقِ اکبر سے طلبگاری ہے

رام اب قید سے سیتا کو چھڑا لائے ہیں

دیوِ دہ سر کو جہنم میں جلا آئے ہیں

ہوا گاندھی پہ غلبہ اس قدر جوشِ ندامت کا — کہ اس نے کر لیا منصوبہ افشائے حقیقت کا

ہوئی ہر چند حائل اس کی رہ میں شرم رسوائی — مگر اس کی طبیعت کو نہ تھی مطلق شکیبائی

کہا اس نے کہ میں یہ راز افشا کر کے چھوڑوں گا

مکدر چشمۂ دل کو مصفا کر کے چھوڑوں گا

لکھی اک خط میں اس نے اپنی ناوانی کی کیفیت — بتائی باپ کو اس طرح اپنی لغزشِ فطرت

پڑھی جب باپ نے تحریر اشک آنکھوں سے نکلے — گہر بن کر ستاروں کی طرح کچھ دیر تک چمکے

اُدھر بیٹے کی آنکھوں سے بھی آنسو ہو گئے جاری — ہوئی کمرے پہ اک مخصوص حیرت خیز چپ طاری

نکوہش یا ملامت باپ نے کچھ بھی نہ فرمائی — فقط دونوں طرف تھا گریہ اور خاموش گویائی

نہ تھا موقع خموشی میں صدا کے دخل پانے کا — ذرا کچھ ہمہمہ اُٹھا فضا سے نرم گانے کا

ہمدردی کی رُوح :———

ہے کس کے دم سے رنگین قدم سے

زینت جہاں کی

کس جام جم سے؟

عشرت جہاں کی

کس کی ضیا سے

حُسن ادا سے

مسحُور دُنیا

مخمُور دُنیائ

پُر نور دُنیا

تابندہ انجم ۔ یکسر تبسّم

سرِ مست جگنو

اب ظاہر ۔ اب گم

بد مست آہُو

گلہائے خنداں

ذرّات ۔ انساں

بے میل ایسے

دُنیا میں کیسے

ہیں ایک جیسے؟

ہر شے پہ طاری ۔ با سحر کاری

ذوقِ محبّت

ہر دِل میں ساری

شوقِ محبت

ہے اِس کی لَو سے

پُر کیف ضَو سے

سب خلق یک جاں

بے خوفِ نقصاں

مسرور و شاداں

انساں کی سطوت۔ شانِ شرافت

قائم ہے اِس سے

دَورانِ راحت

دائم ہے اِس سے

صلح و صفا کی

مہر و وفا کی
تخئیل یہ ہے
تشکیل یہ ہے
تکمیل یہ ہے
طبعِ بشر سے ۔ اس کے اثر سے
زنگِ کدورت
دور اِک نظر سے
اوّل رفاقت
پھر رہنمائی
آخر رسائی
ہے ابتدا یہ
نشو و نما یہ

اور انتہا یہ

یونہی جب ہو گئے محروم وہ تحصیل عشرت سے
تو گاندھی اور اُس کے دوست نے از بس شجاعت سے

کیا عزم مصمم ایک دن اپنی ہلاکت کا
یہ تھا اُن کیلئے گویا کہ اک جنّت کا دروازہ

کہ جب اس سے گذر جائیں گے وہ ہر طرح کی خوشیاں
میسّر آئیں گی اُن کو درونِ روضۂ رضواں

گئے اک پاس کے جنگل میں دونوں خودکشی کرنے
جہالت کے سبب سم کھا کے قطعِ زندگی کرنے

یہ حالت دیکھ کر روئی ترس سے رُوح ہمدردی
ہوا میں یہ صدائے درد آگیں منتشر کردی

ہمدردی کی رُوح :-

آہ! کتنا عبرت ناک ہے، بچوں کا عزم خودکشی
کس درجہ ہیبتناک ہے، ان کا مآلِ زندگی

یہ ننھی جانیں ناتواں
دو غنچۂ نکہت فشاں
نو پیکر و نو آشیاں

اِن کو ہو خواہش موت کی!

اُف! میرا دل صد چاک ہے،

اِس منظرِ جانکاہ سے

حیراں ہُوں طفلی میں انہیں مرنے کی ہے کیوں آرزو

اِس عہدِ فرحت خیز میں جس میں خوشی کی جستجو

خواہش سرور و عیش کی

ذوقِ نشاط و خرّمی

ہے کار و بار زندگی

یہ طفل ہوں اپنے عُدو

آفاق سے رحلت کریں

اپنے ہی دل کی چاہ سے!!

اے یاورِ انساں تیرا دستِ کریمی ہے کہاں؟

اے نیّرِ تاباں - ترا نُورِ قدیمی ہے کہاں؟

بچّے یُونہی برباد ہوں

بے پھُول اور ناشاد ہوں

نذرِ جفائے باد ہوں

تیری کلیمی ہے کہاں؟

وہ جلوۂ ارزاں ترا

لطف وکرم کی راہ سے

اے ناظمِ کون ومکاں ان ننّھے بچوں پر کرم

اے ربِّ ارض وآسماں تجھ کو ترے سر کی قسم

معلوم کیا اِن میں کوئی

ہو لائقِ شاہنشہی

یکتائے طرزِ رہبری

ان کو بچا اے محترم
پروردگارِ دو جہاں

فسقِ دلِ گمراہ سے"

فرشتوں نے بچائی آ کے جان اطفال ناداں کی　　فسون و سحر سے کچھ بن نہ آئی بات شیطاں کی
نہ کھایا کچھ زیادہ زہر اُن نادان بچوں نے　　بچایا جانِ شیریں کی محبّت سے فرشتوں نے
وہ خوفِ جان سے جلد اپنی خطاکاری سے باز آئے　　کہا یوں کوئی خود کیوں موت کے منہ میں چلا جائے

بہت دشوار ہے انساں کا خود جاں سے گزر جانا
ہلاکت کے ارادہ سے بن آئی موت مر جانا

دوبارہ اِمتحان

جب اتنے معرکوں میں یوں ہزیمت پائی اُن نے　　تو سوچیں اور چالیں جنگ کی اس مردِ پرفن نے
کسی دن لے گیا گاندھی کو وہ بازار نکبت میں　　کہ شاید اس طرح پھنس جائے وہ دامِ مصیبت میں

سیہ کاری کی قیمت بھی وہاں پہلے ادا کر دی — اُٹھا رکھی کسر کوئی نہ اُس کی بیگناہی کی

پھنسایا اُس کو وحشت خیز چنگ دیو عصیاں میں — نہ ہو بچنے کی طاقت جس سے اک کمزور انساں میں

خدا نے ڈال کر رحمت کا پردہ اُس کی آنکھوں پر — کیا پوشیدہ دوزخ کا بھیانک آتشیں منظر

بھری تنویر عرفاں اُس کے حیرت خانۂ دل میں — سرایت کر گیا نورِ الٰہی طبعِ غافل میں

سیاہی کے بھنور سے تیر کر گاندھی نکل آیا

مگر باقی رہا دُنیائے دل پر رات کا سایہ

ہوئی معلوم اُس کو گمرہی کی اک نئی دُنیا — نیا نعم البدل پیدا ہوا کھانے کی لذت کا

ہوس نے اُس کو مائل کر دیا عشرت کی لذت پر — ہوائے نفس غالب آ گئی اُس کی طبیعت پر

یہ حالت دیکھ کر اہرمن کے دل میں ولولہ اُٹھا — کہ میں کب تک ہوں گا ایک ہی صورت میں آوارہ

میں اپنے عرش سے اُتروں کے ساتھ پوری شان و شوکت سے — نمایاں ہو کے لوں گا اُس نحیف انسان سے بدلے

ہوا جب ایک دن گاندھی کے دل پر غلبۂ عصیاں — تو وہ تنہا چلا بہرِ طواف کوچۂ عصیاں

اُٹھا اہرمن، بگولا بن کے اُس کے سامنے آیا — اندھیری کی طرح جوشِ غضب میں ہر طرف چھایا

یہ منظر دیکھ کر کانپا سراسیمہ ہوا گاندھی — کہ دیکھی تھی نہ اس نے عمر بھر اس طرح کی آندھی

تھا ہیبتناک اتنا آج راون کا قدِ بالا — کہ یکدم ہوش کھو دیتا تھا اس کو دیکھنے والا

ڈرا پہلے تو گاندھی اس کی حیرت زا جسامت سے — بہت وحشت ہوئی دیوِ کلاں کے قد و قامت سے

مگر پھر کچھ سنبھل کر اس کے آنے کا سبب پوچھا — نہایت عاجزی سے باعثِ غیظ و غضب پوچھا

دکھائی اس طرح جب انکساری ایک انساں نے — تو کم کر دی غضب کی آگ دیوِ فتنہ ساماں نے

ہوا گویا نہایت دبدبے کے ساتھ پہلا سر
دکھائے اس طرح اپنی زباں کی تیغ کے جوہر

پہلا سر

میں استبداد ہوں میں وہ ہوں جس کے خوف سے سارا
زمانہ کانپتا ہے، میں ہر اک انسانِ سرکش کو
رہینِ قید، غرقِ نار، نذرِ دار کرتا ہوں

----------- ۱*

نوٹ ۱: یہاں سے دس شعر کاٹ دیئے گئے ہیں۔

کبھی چنگیز بن کر غارت و تاراج کرتا ہُوں

کبھی تیمور بن کر پے بہ پے حملوں سے دُنیا کو

تبہ کرتا ہُوں، خوش ہوتا ہوں اپنی کامرانی پر

ہلاکو خان بن کر بربریت کی غضنبا کی

میں دیوِ تُند کی مانند جسمِ خلق مضطر کو

فنا کرتا ہُوں۔ اک فوجِ ملخ جیسے زراعت کو

پہاڑی پر نفیری بجتی ہے اور شہر میں ہر سُو

مرے فرمان سے لوگوں کا قتل عام ہوتا ہے

یہ سارے کارنامے ظاہری ہیں، میری حکمت سے

ہزاروں لوگ بھُو کے مرتے ہیں، وحشی ہیں، عُریاں ہیں

مَیں اُن کو صورتِ فرعون پٹواتا ہُوں کوڑوں سے،

وُہ کوڑے جن کی ضربیں جسم پر ظاہر نہیں ہوتیں

مگر آزادیٔ روحِ بشر مجروح ہو ہو کر
فنا ہو جاتے ہیں مانندِ گُل از سیلیٔ صرصر

دُوسرا سر

ہوس، ہاں، ہاں، ہوس میں ہُوں۔ مجھے لالچ بھی کہتے ہیں
مَیں خواہاں ہُوں کہ ساری نعمتیں دُنیائے ہستی کی
مرے دامن میں آجائیں کوئی شے جس کی کچھ بھی قدر
ہوتی ہے زمانے میں، وہ میرے ہاتھ سے باہر
نہ جائے۔ کاش ہیرے سیم و زر، لعل و گہر، جوہر،
نفائس، شاہدانِ شوخ و شنگ و دلبر و نازک
مرے ہاتھوں میں آجائیں۔ مری آغوش کو بھر دیں۔
مگر یہ سیم و زر کی خواہشیں بھی میری آنکھوں میں
وہ کیفیت نہیں رکھتیں جو اِن سے خُوب تر اشیا۔

٭ ہیں مضمر ہے۔ وظائف وغیرہ میں منصب تعالیٰ اللہ!
یہ ساری نعمتیں ہاتھ آئیں تو کون ایسا جاہل ہے
جو ملک و قوم کے بہبود کی بے سود کوشش میں
دل و جاں کو لگا رکھے جہاں میں خود غرض ہو کر
رہیں تو لطف آتا ہے، وگرنہ نامرادی سے
جیئے جانے سے کیا حاصل، مجھے تو ایک شاعر کا
یہ شعر دلنشیں وردِ زبان شوق رہتا ہے
٭ "ہے لقمہ دے دیا مجھ کو مرے آقائے نعمت نے
خدا جائے جہنم کو اگر روٹی نہیں دیتا"

تیسرا سر:

مَیں نامی شخص ہوں، مجھ کو تعصب کہتی ہے دنیا
سنو تم میری باتوں کو تو سناٹے میں آجاؤ

مہارت ہے، مجھے فنِ فساد انگیزی و شر میں
نہیں کوئی جگہ جس میں نہ مجھ کو دخل حاصل ہو
مری دنیا کے ہر انسان کے دل پر حکومت ہے،
مرے دم سے ہیں یہ ساری نزاعیں، تفرقے جھگڑے
مرے آلات کیا ہیں؟ ملک، مذہب، قوم، کاروبار
نسل، عادات، آرائے وعقاید ملتیں، رسمیں۔
تسلط یوں تو ہے قائم مرا سارے زمانے پر
مگر دار الخلافہ کشورِ ہندوستاں میں ہے
یہ خطہ ایک مدت سے مرا پیارا نشیمن ہے
بہت راس آئی ہے اس ملک کی آب و ہوا مجھ کو
خداوند تعالیٰ سے مری ہر دم سفارش ہے
کہ وہ اس کو مری خاطر سلامت تا ابد رکھے

اکھاڑا ہے یہ دُنیا بھر کے جرّی پہلوانوں کا

زبسکو، پطرسن، گاما اسی کے نام لیوا ہیں

اچھوتوں، ہندؤں، سکھّوں، مسلمانوں کے دنگل کا

تماشہ دیکھنا چاہو تو اِس میدان میں آؤ

کہیں گائے کی نسبت بحث اور تکرار ہوتی ہے

کہیں جھگڑا مساجد کے قریں گانے بجانے کا

نزاعِ ہندی و اُردو، اذاں، پُرفتنہ تقریریں

حقوقِ واجبی، تبلیغ، جھٹکا، مذہبی حملے!!

جہاں ایسی فضائے دلنشیں ہو میرا دل کیونکر

نہ ہو اُس میں ہمیشہ کی رہائش کا تمنّائی

دیارِ قادیاں نے اک نیا فرقہ نکالا ہے

جو اپنے ماسوا ہر فرقہ کو کافر بتاتا ہے

سناتن دھرم کی تحقیر کرتے ہیں دیانندی
یہ باتیں کرتی ہیں ظاہر تعصب کی فراوانی
مرا اس پُر فضا ماحول میں کیونکر نہ دل بہلے
نہ کیوں کبکِ طبیعت اس سُہانے باغ میں ٹہلے

چوتھا سر:—

تکبر میں ہوں یعنی وہ فرشتہ جس کو خالق نے
اِباو سرکشی کے واسطے عرشِ مُعلّیٰ سے
نہایت طیش کی حالت میں اِس پستی میں دے پٹکا
وہ آتش ہوں جو دُنیا کے دبائے سے نہیں دبتی
اکڑ کر اس جہاں میں رہتی ہے محکم ستوں بن کر
مری نظروں میں نیچی ہے مری منزل سے سب دُنیا
میں اس کو دیکھتا ہوں فطرتاً چشمِ حقارت سے

جدید ایام میں اک اور قالب لے کے نکلا ہوں
وہ قالب جو عجائب شئے ہے مصنوعاتِ مغرب سے
لغت سازانِ مشرق اس کو... کہتے ہیں
نہیں شخصی تکبّر۔ یہ نبا نسلی تکبّر ہے
وہ نقلی اور فرسودہ تھا۔ یہ اصلی تکبّر ہے

پانچواں سر:—

دروغ و کذب کا سر میں ہوں، میری یہ تمنّا ہے
کہ اس دنیا کے ہر انسان پر میرا تسلّط ہو
نہ حرفِ راست آنے پائے لب پر اہلِ دنیا کے
نہایت خوش ہوں دنیا اب مرے کہنے پہ چلتی ہے
مرے ہی دم سے ہے جمعیّت الاقوام کا امکاں۔
مری ہی ذات سے صلح و صفا و امن کے چرچے

غلط حالات اور خبروں سے دھوکے دیتی ہے دُنیا

دکھاوے کیلئے اسٹیج پر لیڈر بھی آتے ہیں

جو اخباری اوارہ اِس قدر سرگرمِ غوغا ہے

مری ہی عقل اس کے مغزِ سر میں کارفرما ہے

چھٹا سر: ---

عناد و بغض کا سر ہُوں، بہت تبدیلیاں میں نے

بھی اس دُنیا میں دیکھی ہیں، مگر میری نئی صُورت

مجھے سب سے بھلی اور دلنشیں معلوم ہوتی ہے

کہاں جنگ و جدل کا طرزِ نَو جس میں کئی قومیں

*ا --------------------

یہ قوموں کے سیاسی ۔ اِقتصادی حرب کی چالیں

*ا محذوف اشعار

مزا آتا ہے مجھ کو ان فساد آمیز باتوں میں
صفا و صلح کے پردہ میں بربادی کی گھاتوں میں

ساتواں سر:-

میں ہوں قزاقی و دزدی کا سر، میری حکایت بھی
بہت دلچسپ ہے، مجھ کو بھی آب و خاک مغرب نے
ہی بدلا ہے، مہذب لوٹ، دزدی اور قزاقی
اسی دنیائے شور انگیز سے آغاز ہوتے ہیں

سلہ*

- -

یہ ہیں میرے ہی گلزار تخیل کے گل رنگیں
مری اولاد ہیں غارتگری کے یہ جدید آئیں

آٹھواں سر:-

اب آنکھیں بند کر لو۔ رات کی ہیبت فزا ظلمت

*سلہ یہاں سے چند اشعار حذف کئے گئے ہیں۔

رُخِ دنیا پہ چھاتی ہے، ملائک طائرِ بسمل۔
کی صُورت گرنے والے ہیں زمیں پر سرنگوں ہو کر۔
چمکتی ہے سیہ تاریک ظلمانی گھٹاؤں میں
وہ آتشناک۔ وحشت خیز بجلی جس کی شورش سے
زمین و آسماں لرزاں ہوں مثلِ کاغذِ سوزاں
کہ میرا سر مہیب و شعلہ وش سرِ قتل کا سر ہے
بدل دی ہے مری صُورت بھی بھارت کی ہواؤں نے
یہاں مذہب کی خاطر دن دہاڑے قتل ہوتے ہیں
مزے سے لڑتے ہیں ہندُو مسلماں سر بکف ہو کر
دکھا دیتے ہیں دنیا کو جو ہے اُن میں جوانمردی
کبھی کوہاٹ میں اک فتنۂ آشوب اُٹھتا ہے
کبھی بمبئی میں ہفتوں قتل و غارت کی تجارت ہے

مجھے ہندوستان کی خاکِ دلکش سے محبت ہے
کہ ایسی وارداتوں کی اِسی بستی میں کثرت ہے

نواں سر:—

میں ہُوں عشرت کا سر۔ ہر طرح کی لذّت کا شیدائی
مرے اوقات نائے ونوش پیہم میں گذرتے ہیں
شرابِ شاہدانِ شوخ سے مجھ کو محبت ہے
مری نظروں میں ہے سارا جہاں اِک موجِ رنگینی
فِدا ہوتا ہُوں شمعِ حُسن پر مانندِ پروانہ
نہیں پروا کہ میری زندگی برباد ہو جائے
یہ خواہش ہے طبیعت تھوڑی مُدّت شاد ہو جائے

دسواں سر:—

میں باقی نو سروں کا صدر ہُوں۔ بارعب افسر ہُوں

اگرچہ خلق کہتی ہے کہ ہیں اک بے سمجھ خر ہوں

یہ سب سر ہیں مرے ماتحت میرے تابع فرماں

نہیں میرے بغیر اِن عاملانِ دہر کا امکاں

ہمدردی کی رُوح:

کہو گاندھی اُسے لڑنے کی دعوت دیگا یا ڈر کر

بہ عجلت بھاگ نکلے گا؟

پیشینگوئی کی روح:

یہ مشرق کا نمایندہ نہیں مغرب کا باشندہ

وہ اُس سے بھاگ جائیگا، نہیں یہ کہنے کو مانے گا

مگر وہ لڑ نہیں سکتا"

ہوس کے کوچہ میں گاندھی گیا اونچے ارمان سے
مگر ڈر کے سبب پیاسا پھرا عشرت کے دریا سے

گیا اک روز پھر بھی تشنگی لے کر وہ ساحل تک
مگر کام ہوس پہنچا نہ آب رود ساحل تک

بچالی اپنی رحمت سے خدا نے آبرو اُس کی
نہ رسوائی ہوئی کچھ اہرمن کے رُوبرو اُس کی

آخری آزمائش

ہوئی جب دوست کو گاندھی کے ہر مقصد میں ناکامی
تو چاہا آخری کوشش سے دھوئے داغِ بدنامی

کہا گاندھی کو از راہِ نصیحت ایک دن اُس نے
کہ اچھّا ہے ہر اک انسان کو دُنیا کی محفل میں

ہمیشہ کاروبارِ دنیوی سے باخبر رہنا
نہ غفلت کی بدولت رنجہائے بے سبب سہنا

یہ دنیا ایک تلبیس و ریاکاری کی دوکاں ہے
جہاں ہر جنس تزویر و فریب و مکر ارزاں ہے

تمہیں معلوم ہے میری مُحبّت اور وفاداری
مجھے منظور رہے ہر دوست کی امداد و غمخواری

یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے اپنی بیوی کے
روّیہ پر نظر رکھو نہایت ہوشیاری سے

ہے شہرہ اک جہاں میں عورتوں کی بیوفائی کا
تیقّن کس کو ہو سکتا ہے ان کی پارسائی کا

یہ سُن کر دوست نے لہجے کو بدلا اور کہا تُم تو — سمجھتے ہی نہیں دُنیا کے اطوار و خصائل کو
بہ ظاہر روشنی ہے گرچہ باطن میں سیاہی ہے — سمجھنا ظاہر و باطن کو یکساں کم نگاہی ہے
سُنا ہے میں نے جب بیوی تمہاری جانبِ دریا — سحر کے وقت جاتی ہے عبادت کے لئے تنہا
تو رستے میں ہر اک انسان کو پیار اور چاہت سے — اشارے کرتی ہے آنکھیں لڑاتی ہے شرارت سے
اُسے خود میں نے اکثر سرد آہیں بھرتے دیکھا ہے — کئی نوخیز لڑکوں پر نگاہیں کرتے دیکھا ہے

یہ سُن کر گاندھی کو راون کی باتوں پر یقین آیا!
غضب میں بھر کے بیوی کو نہایت طیش دکھلایا

وہ اُس کو کوستا نامحرموں کی آشنائی پر — ہمیشہ سرزنش کرتا تھا اُس کی بے وفائی پر
مگر جب صورتِ پاکیزہ پر اُس کی نظر کرتا — تو دل پر حسنِ معصومی بہت گہرا اثر کرتا
وہ سارے بیوفائی کے فسانے بھول جاتا تھا — فریبِ دوستی کی داستانیں بھول جاتا تھا
بڑی مدت سہیں بیوی نے شوہر کی یہ تعزیریں — سُنیں اِک عمر دل کو رنج دینے والی تقریریں
مگر اُس نے نہ اِس آزارِ بیحد کی شکایت کی — بہت جی دُکھ گیا تو چھپ کے رونے پر کفایت کی

کھلی گاندھی پہ آخر آشنا کی فتنہ پردازی
تو بیوی کی شرافت نے یہ سب سختی بدل ڈالی

بھرا شوہر کے دل میں جذبۂ رنگیں محبت کا
بجھا شعلہ جہنم کا کھلا اک پھول جنت کا

ولائت کو روانگی

اٹھا کچھ دیر میں گاندھی کے سر سے باپ کا سایہ
ہوا طے جلد آخیری زینۂ تعلیم کا پایہ

کسی دن اک برہمن دوست نے جو اس کے والد کا
نہایت مخلص و درد آشنا ۔ دیرینہ ہمدم تھا

کہا گاندھی کو اب وہ وقت گذرا جب بہ آسانی
تمہارے خانداں کو ملتا تھا اعزاز دیوانی

ولایت جاؤ اور محنت کرو بیرسٹری سیکھو
پھر اپنے ملک میں آکر مثالِ مہر و مہ چمکو

برہمن دوست کی تجویز گاندھی کو پسند آئی
بڑے بھائی کو جا کر یہ نرالی بات سمجھائی

ہوئی اس کو بھی اس تجویز سے اک گونہ خوشنودی
نظر آئی اسے اس بات میں بھائی کی بہبودی

فقط ماں اور جاتی کی اجازت وہ مراحل تھے — جو اُن کی رسم و عادت کی وجہ سے بجنت مشکل تھے

بہت کوشش سے حاصل ہوئی ماں کی رضامندی — مگر دام مُصیبت بن گئی کُنبے کی پابندی

کہ جاتی کا کوئی ممبر سیاحت کر نہ سکتا تھا

کبھی بحری سفر کرنے کی جرأت کر نہ سکتا تھا

سُنی لیکن نہ اصلا اس کی قیل و قال گاندھی نے — کیا اُس کے تمام اوہام کو پامال گاندھی نے

ولایت کو ہوا رخصت بہ عجلت مردِ فرزانہ — سمندر کو گیا یہ گوہرِ زیبا و یکدانہ

نہایت خوش ہوئی اس ماجرا سے رُوح ہمدردی، — یہ گانا گا کے جلد اپنی امانت بحر کو سونپی

ہمدردی کی رُوح کا الوداعی گیت

مبارک اے خاکِ ہند تیرا سپوت لندن کو جا رہا ہے

ترا وہ فرزند جس کی قسمت میں بختِ اسکندری لکھا ہے

برائے سیرِ جہاں وہ نکلا ہے جذبۂ شوق دل میں لے کر

یہ طالبِ کیفِ حق خرابِ تلاشِ جامِ جہاں نما ہے

وہ لے کے نکلا ہے اپنے دِل میں ہزارہا خواہشیں اُمنگیں

یہ دل نہیں اِک چھلکتا ساغر ہے۔ جامِ لبریزِ مدعا ہے

رواں ہے اپنے ہی زور سے قلزمِ تمنّا میں ایک کشتی

یہ منظرِ جانفزا عجب دلنشیں غضب سحر باجرا ہے

جہاز کرتا ہے اُس کا محسوس ولولوں کے لطیف جھونکے

وہ اپنے جوشِ شباب میں اِک حباب کی طرح جارہا ہے

گذشتہ حالات سے کبھی کھیلتا ہے بیخود تصوّر اُس کا

کبھی وہ مبہم سی آنے والی دُھندلی باتوں کو دیکھتا ہے

کبھی اُسے بیکسی کے عالم میں آتے ہیں یاد بیوی بچّے

کبھی خموشی میں ماں کی شفقت کی یاد سے دِل تڑپ رہا ہے

رُلانے لگتی ہیں گاہ آنسو اُسے یہ احساس اور یادیں

وُہ دِل میں روتا ہے اور نیرنگیِ زمانہ کو دیکھتا ہے

اِدھر سُمندر پہ دل میں بیٹھے کے ہے اگر غلبۂ محبّت

تو خاک پڑھی اُدھر وہی جذبۂ محبّت کی انتہا ہے

پڑی تصوّر میں کھیلتی ہے خیال شوہر سے نیک بیوی

لگا کے تصویر اپنے سینے سے محو خوابوں میں مامتا ہے

یہی خلش ہے نہ جانے پردیس میں گذرتی ہے کیونکر اُسکی

وہ غم میں ہے یا شادماں ہے یا ورطۂ مُصیبت میں مبتلا ہے

تری جدائی میں اے ولایت کو جانے والے فرشتۂ انساں

برادرانِ عزیز کا بھی غموں سے دِل خُون ہو گیا ہے

الٰہی! پہنچے بہ خیر منزل کو ماں کا یہ ہونہار بیٹا

کہ اُس کا سیمائے نُور افشاں فروغِ باطن کا آئینہ ہے

پدید ہے خوبیٔ شمائل سے اُس کا احوالِ طبعِ روشن

یہ مردِ حق کوش کیا ہے سارے جہاں کا آئندہ رہنما ہے

یہ وہ بشر بن کے آئے یا رب ! تری عنایاتِ بیکراں سے

کہ فیض جس کا بہ از ہزاراں سعادتِ سایۂ ہما ہے

وہ جس کا رُتبہ ہے آسماں کے ضیا فشاں اختروں سے بڑھ کر

وہ جس کی شان و شکوہ کیخسرو سلیماں سے بھی سوا ہے

اُسے عطا کر وہ فقر کی دولتِ عدیم النظیر جس سے

شہنشہانِ زماں سے بڑھ کر جہاں کا اِک بینوا گدا ہے

اسے وہ دِل ۔ طاقتیں ۔ ارادے ۔ خیال ۔ جذبات آرزوئیں

عطا ہوں جن سے جہاں میں انسانیت کی تکمیل و انتہا ہے

کمالِ خُلقِ بشر کا زیبا نمونہ بن جائے فطرت اُس کی

یہی مری التجا ۔ مرا مدعائے دِل ہے ۔ مری دعا ہے

دوسری جلد میں مہاتما جی کی زندگی کے باقیماندہ حالات ملاحظہ فرمایئے :۔

مصنّف کی دیگر تصانیف

(غیر مطبوعہ)

جدید اُردو شاعری: جو کم و بیش تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں جدید آئینِ تنقید کو استعمال میں لا کر اور تمام گذشتہ ادبی فیصلوں پر نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ مصنّف نے قدیم آئینِ تنقید کو چھوڑ کر شعرا اور مصنّفین کے آرٹ اور طبیعت کے مطالعہ کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ اور نہایت عمدہ طریق سے مغربی طرزِ تنقید کو اُردو ادب سے رُوشناس کیا ہے۔

خاقانیِ ہند :۔ اِس میں ذوق مرحوم کے ماحول ۔ آرٹ اور طبیعت کا نہایت محنت اور عمقِ نظر کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے ۔ مؤلّف کے نزدیک شاعر صاحبِ تخیّل نہیں اُس کی طبیعت کا سب سے نمایاں جوہر تمثیل ہے جو ایک کم پایہ شاعر کی خصوصیّت ہے ۔ اُس کی زبان اور بیان بھی اعلیٰ اور فصیح نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے ذوقؔ مرحوم کا تمام قدیم شعرا سے نہایت احتیاط اور غیر جانبداری کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے ۔

نیّرہ :۔ یونان کے مشہور تمثیل نگار سوفوکلیز کی زبردست تصنیف انیٹگونی (Antigone) کا لاجواب ترجمہ ہے ۔ حق یہ ہے کہ اس کو ترجمہ کہنا ہی غلطی ہے ۔ نقل اصل سے بہت بڑھ گئی ہے ۔

المشتہر

سیکرٹری انجمنِ ترقیِ ادب ۔ لاہور

مرکنٹائل پریس ریلوے روڈ لاہور میں سردار سجن سنگھ پرنٹر و پبلشر کے زیرِ اہتمام چھپکر دفتر ... لاہور سے شائع ہوا ۔